تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

مذہبی، علمی اور تحقیقی رسالہ

ماہنامہ الفرقان

ربوہ پاکستان

فروری، مارچ ۱۹۵۸ء

سالانہ قیمت پیشگی

پاکستان :- پانچ روپے

بیرونی ممالک سات روپے یا بارہ شلنگ

ادارہ تحریر

ایڈیٹر :- ابوالعطاء جالندھری

نائب ایڈیٹر :- مسعود احمد دہلوی بی اے

لادینی عالم سے!

(از جناب عبا[illegible]سان صاحب ناہید)

مضموں ترے قرآن کے مضمون نہیں ہیں
مانا تری تقریر کے الفاظ حسیں ہیں
تو علم سمجھتا ہے یہ لفظوں کا الٹ پھیر
کیا جانے تو کیا چیز مقاماتِ یقیں ہیں
تو خوش ہے مری راہ میں کانٹوں کو بچھا کر
میں خوش کہ یہ کانٹے مری منزل کے امیں ہیں
آنکھیں ہی نہ بینا ہوں تو ہے کون خطاوار
خورشیدِ جہانتاب کی کرنیں تو نہیں ہیں
سجدہ ہے جو سجدہ تو فقط دل کی تڑپ ہے
اور اسکے سوا جو بھی ہے وہ ننگِ جبیں ہیں
ناہید اٹھائیگی کوئی اور ہی طوفاں
وہ نالے کہ دریوزہ گرِ عرشِ بریں ہیں

ملک سے باہر جانے والے مبلغِ اسلام کے نام!

مکرم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر مولوی فاضل نے یہ نظم مکرم مولوی محمد بشیر صاحب شاد فاضل اور ان کے ساتھی مبلغین افریقہ کی ایک الوداعی دعوت میں ۲۰ر فروری ۵۸ء کو پڑھی تھی۔ (ایڈیٹر)

جاؤ اے جانِ ظفر دہر پہ یلغار کرو
ہاں فراخ اور ذرا عرصۂ پیکار کرو
ضربِ ایماں سے لرز جائے جہانِ باطل
اس طرح زیر و بم کفر کو ہموار کرو
عالم ہے اپنے جوانوں کیلئے تیغ و تفنگ
عشق کے سوز سے پیدا نئی تلوار کرو
اشک ہوں گلشنِ اسلام پہ رحمت کی پھوار
خرمنِ کفر پہ آہوں کو شرربار کرو
ہے بجا اگرمئ گفتار بڑی چیز سہی
حسنِ کردار سے دنیا کو گرفتار کرو
میرے ہمدم ہے یہی رشد و ہدایت کا کمال
نقدِ جاں دے کے بھی تزئینِ رخِ دار کرو
آمدِ فتح و ظفر گرچہ مقدر ہے مگر
تیز تر تم بھی ذرا شوق کا رہوار کرو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۸ نمبر ۲ و ۳	الفرقان ربوہ (پاکستان)	رجب شعبان ۱۳۷۷ھ فروری مارچ ۱۹۵۸ء

ادارۂ تحریر

ایڈیٹر:- ابو العطاء جالندھری

نائب ایڈیٹر:- مسعود احمد دہلوی بی - اے

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	سیرتِ نبویؐ کا ایک بے مثال پہلو	ایڈیٹر	۲
۲	شذرات	"	۴
۳	حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کے متعلق قرآنی فیصلہ	"	۷
۴	قرآن مجید کی پیشگوئیوں میں سے ایک عظیم الشان پیشگوئی	جناب مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری ربوہ	۹
۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور ان کا مقام	جناب غلام احمد خان صاحب ایڈووکیٹ پاکپتن	۲۱
۶	آیت مباہلہ سے شیعہ صاحبان کے استدلال پر ایک نظر	جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد ربوہ	۲۹
۷	بہائی تحریک کے لیڈر کی وفات	.. ..	۳۰
۸	کاسرِ صلیب کا ایک علمی معجزہ	جناب مولوی محمد صدیق صاحب شاہد ربوہ	۳۳
۹	"طلوع اسلام" کا جواب	جناب مولوی عبد الکریم صاحب پشاور	۴۵
۱۰	عیسائی صاحبان کے اعتراضات کے جوابات	جناب گیانی واحد حسین صاحب راہوالی	۴۹
۱۱	"تسنیم" میں عریاں فوٹو	بحوالہ "المنیر" لائلپور	۵۵
۱۲	اسلامی جماعت کی باہمی کشمکش کا ایک منظر	" " "	۵۷
۱۳	ہفتہ تحریک وصیت	.. ..	۶۴

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

جلد ۲۶ نمبر ۲-۳　　الفرقان　　فروری مارچ ۱۹۵۸ء

تفسیر القرآن المجید

سیرتِ نبوی کا ایک بے مثال پہلو

اللہ تعالیٰ کی نصرت پر کامل توکل و یقین

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (التوبہ ۴۰)

کہ اے لوگو! اگر تم اس رسول کی نصرت نہ کروگے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی بہرحال نصرت کرے گا۔ وہ اس کی اس وقت بھی نصرت فرما چکا ہے جب کافروں نے اسے مکہ سے ایسی حالت میں نکال دیا تھا کہ اس کا صرف ایک ہی ساتھی تھا اور وہ دو میں سے دوسرا تھا۔ وہ نازک ترین گھڑی یاد کرو جب یہ پیغمبر اپنے ساتھی سمیت غارِ ثور میں تھا۔ اور وہ اسے کہہ رہا تھا کہ اے میرے رفیق! غم نہ کر یقیناً اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اس پر نازل فرمائی اور اس کی تائید و نصرت ایسے لشکروں سے فرمائی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا اور اسکی پیشگوئی پوری ہو کر غالب آئی اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔"

یہ آیت کریمہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی کیفیت کو بیان کرتی ہے۔ جب اہلِ مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے اور صحابہؓ کے لئے ناقابلِ برداشت

ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں فرمایا کہ تم حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ کچھ صحابہ اس ملک میں چلے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں مومنوں کی ایک جماعت قائم کر دی۔ اور کچھ صحابہؓ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر گئے۔ مدینہ دار الہجرۃ قرار پا گیا۔ آخر مکہ میں صرف تین مومن باقی رہ گئے۔ مشہور مستشرق سٹینلے لین پول لکھتا ہے :-

"There were but three believers now remaining in Mekka. These were Mohammed, Aboo-Bekr and Alee. Like the captain of a sinking ship the Prophet would not leave till all the crew were safe."

کہ اب مکہ میں صرف تین ایماندار باقی تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ابوبکرؓ اور علیؓ۔ پیغمبرؐ ڈوبنے والے جہاز کے کپتان کی طرح مکہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے جب تک جہاز کے سب مسافر سلامتی کے ساتھ کنارے پر نہ پہنچ جاتے۔"

آخر الٰہی اشارہ کے ماتحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں لوگوں کی امانتوں وغیرہ کی ادائیگی کے لئے چھوڑا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر مکہ سے رات کے وقت چل پڑے۔ دونوں مقدسوں کو چند میل کے فاصلے پر غار ثور میں پناہ لینی پڑی۔

اب حالت یہ تھی کہ نبیوں کا سردار اپنے وطن مالوف سے نکل چکا ہے۔ وہاں اس کے رہنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اور ابھی نئے شہر مدینہ میں پہنچا نہیں۔ قریش مکہ نے اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص اس مقدس رسولؐ کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا یا انہیں قتل کر کے ان کا سر لے آئے گا اُسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ مذہبی دیوانے اور انعام کے لالچی مکہ سے چاروں طرف نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بڑے کھوجی اور پاؤں کے نشانات کی شناخت کرنے والے ان کے ساتھ تھے۔ جس غار میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عاشق صادق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خونخوار دشمنوں سے چھپے ہوئے تھے اس کے سر تک یہ لوگ پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں کے پاؤں دیکھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر ان لوگوں نے نیچے جھانک کر دیکھا تو یہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ اس نازک ترین لمحے میں جبکہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کا بظاہر کوئی ٹھکانا نہ تھا، پہلا گھر چھٹ چکا تھا، نیا مرکز ابھی قائم نہیں ہوا، اس تک پہنچنے کے راستے میں ننگی تلواریں اور چمکتے ہوئے تیر نظر آ رہے ہیں غار میں صرف ایک جاں نثار کے ساتھ پناہ گزیں ہیں اور تلاش کرنے والے دشمن غار کے مُنہ پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ گو بظاہر اُمید کی کوئی جھلک باقی نہیں اور لین پول کے قول میں انسانی نظر بیں اس جہاز کو واقعی "Sinking ship" قرار دینے میں حق بجانب تھیں۔ ایسے نازک وقت میں سید المرسلینؐ کس

توکل، کس یقین اور کس ایمان و وثوق کا اظہار فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ سے فرماتے ہیں :-

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔

غم نہ کر! خدا ہمارے ساتھ ہے ۔

کیا تاریخ عالم میں کوئی نبی اور رسول بھی اس توکل اور یقین کے مقام پر کھڑا دکھائی دیتا ہے ؟ ہرگز نہیں ۔

پھر واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ بیان دل کے بہلانے کیلئے محض ایک خیال نہ تھا، طفل تسلی نہ تھی بلکہ ایک حقیقت تھی ۔ چنانچہ اس کڑے امتحان میں سے گزرنے کے بعد یعنی مدینہ پہنچنے کے بعد خدائی فتوحات کے دروازے کھل گئے اور اسلام پھیل گیا ۔ دشمنوں کو جنگوں میں بھی آخر کار ناکامی ہوئی اور ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور خدائی نوشتے پورے ہوئے ۔

یہ بات کس قدر ایمان افزا ہے کہ غار ثور میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہوئے إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت مجھے بھی حاصل ہے اور تجھے بھی حاصل ہے اور جس مشن کی خاطر ہم دونوں آج بے وطن ہو رہے ہیں اور جس دین کیلئے ہم یہ سارے خطرات برداشت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس دین کی بھی تائید و نصرت کریگا ۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ سیدنا حضرت ابوبکرؓ کو بھی یہ معیتِ الٰہی حاصل تھی ۔ وہ بھی مؤید و منصور تھے اور خدا کا سایہ ان کے سر پر بھی تھا ۔ اللہ تعالیٰ کا عجیب کام ہے کہ اس یارِ غار کو اپنے محبوب آقا کی معیت دنیا میں بھی حاصل رہی اور بعد وفات بھی ان کے پاس ہی آرامگاہ نصیب ہوئی ۔

اگر تدبر کیا جائے تو سورۂ توبہ کی اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک بے مثال پہلو نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے اور اس سے آپؐ کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہوتی ہے ۔ نیز اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور نیابت پر بھی زبردست دلیل قائم ہوتی ہے ۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ◆

شذرات

۱۔ "یہ جہاد نہیں خودکشی ہے"

جناب ایڈیٹر صاحب "نوائے وقت" لاہور سید قاسم رضوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں :-

"ہم انکی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ پاکستان کے حال پر رحم کریں اور لیڈری کا خیال چھوڑ کر کوئی اور دھندہ کریں ۔ خدا پاکستان کو ایسے عاقبت نااندیش لیڈروں سے بچائے جو ایٹم بم ہائیڈروجن بم، سپوٹنیک کے اس دور میں مسلمانوں کو جہاد کے نام پر تلقین کرتے ہیں کہ وہ تانگہ میں جتنے والے گھوڑے پر سوار ہوں اور ٹین کی تلوار ہاتھ میں لیکر بھارت پر یلغار کر دیں ۔ یہ جہاد نہیں ہے سیدھے سادے مسلمانوں کو خودکشی کی تلقین ہے" (۱۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ جہاد تب فرض ہوتا ہے جب اسکے شرائط پورے ہوں اور موجودہ وقت میں ہندوستان میں یہ شرائط پورے نہیں ہیں اسلئے جہاد کے نام پر مسلمانوں کو لڑنے کی تلقین کرنا ان سے انتہائی دشمنی ہے ۔ یہ جہاد نہیں بلکہ خودکشی کی تلقین ہے ۔ یہ وہی موقف ہے جو بامر الٰہی آج سے نصف صدی قبل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اختیار فرمایا

تھا۔ شکر کا مقام ہے کہ اب مسلمانوں پر حقیقت منکشف ہو رہی ہے

۲۔ "شیعہ اور سُنی دو الگ الگ قومیں ہیں"

رسالہ "الفاروق" بھوکیرہ ضلع سرگودھا کے ایڈیٹر جناب احمد شاہ صاحب بخاری لکھتے ہیں:۔

"کتب شیعہ گواہ ہیں کہ شیعہ کی نماز اہلسنت امام کے پیچھے جائز نہیں ہے اور سُنی میت کی نماز جنازہ شیعہ کیلئے جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی صورت پیش آجائے کہ سُنی میت کی نماز جنازہ پڑھنا پڑ جائے تو اس کے لئے انکی کتابوں میں ایک دعا مقرر ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اے خدا!! اس میت کو آگ میں داخل کیجیو اور اس کی قبر کو آگ سے بھر دیجیو۔

نیز کتب شیعہ میں شیعہ سُنی مناکحت کی ممانعت موجود ہے اور ان بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ سُنی کا جھوٹھا پانی شیعہ کیلئے پینا جائز نہیں ہے۔ اگر قومیت کی مدار مذہب پر رکھی جائے تو واقعی شیعہ سُنی دو الگ الگ قومیں ہیں کیونکہ ان دونوں گروہوں کے مذاہب میں شدید اختلاف ہے نہ اصول میں اتحاد ہے اور نہ فروع میں اتفاق ہے۔"

(الفاروق ۱۵ر جنوری ۱۹۵۰ء)

۳۔ سجادہ نشین سیال شریف کی وصیت!

اخبار "صداقت" شیعہ گوجرہ نے خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف ضلع سرگودھا کے تازہ فتویٰ کا عکس شائع کیا ہے۔ فتویٰ یہ ہے:۔

"فرقہ شیعہ قرآن و حدیث و باجماع امت مقدسہ کافر ہے۔ ان کے ساتھ نشست و برخاست، خورد و نوش قطعی حرام ہے۔ لہذا آپ بھی اس خبیث فرقہ کو اپنے شہر اور علاقہ میں حتی المقدور قدم رکھنے سے روکیں ورنہ خدا کا غضب مول لینے کے برابر ہے۔ یہ میری وصیت یاد رکھیں۔"

(اخبار صداقت ۵ر فروری ۱۹۵۰ء)

۴۔ نشستیں مخصوص کرانے کیلئے شیعوں کا مطالبہ

ایڈیٹر صاحب اخبار "صداقت" لکھتے ہیں:۔

"اب ملک میں جبکہ سُنی اجارہ حیثیت بے دھڑک ہو کر ناچ رہی ہے شیعہ کی مذہبی آزادی محفوظ نہیں، عزاداری کے خلاف طوفان بدتمیزی حد سے بڑھ چکا ہے آنیوالے انتخابات میں شیعہ امیدواروں کو ابھی سے دھمکیاں دی جا رہی ہیں تو اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ شیعہ اپنے لئے ملک کے تمام انتخابی اداروں میں ریزرویشن آف سیٹس کا مطالبہ کریں۔" (صداقت گوجرہ ۲۰ر جنوری ۱۹۵۰ء)

۵۔ شیعہ سُنی منافقت کی ذمہ داری

جناب مظفر علی صاحب شمسی، تحریک فسادات پنجاب کے شیعہ لیڈر لکھتے ہیں:۔

"آج ملک بھر میں جو شیعہ سُنی انتشار اور باہمی جنگ و جدل نظر آرہا ہے اسکی ساری ذمہ داری مولوی نور الحسن صاحب اور انکے ساتھیوں کے سر پر ہے دنیا اُسوقت (نام نہاد تحریک ختم نبوت کے وقت) صاف کہہ رہی تھی کہ مرزائی کے بعد شیعہ کی باری آئیگی اور ہم سب اراکین مجلس عمل عوام الناس کو یقین دلاتے تھے کہ یہ قادیانیوں کا محض پھوٹ ڈالنے کے لئے غلط پروپیگنڈا ہے شیعہ سُنی بھائی بھائی ہیں اور ان کے اتحاد و اتفاق کا نام پاکستان ہے۔" (اخبار صداقت ۲۰ر فروری ۱۹۵۰ء)

۶۔ شیعوں کو جماعت احمدیہ کے طریق کو اختیار کرنیکی تلقین

شیعہ عالم مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی لکھتے ہیں :-

"حال ہی میں شیعہ کنونشن لاہور کی جانب سے یہ مطالبہ پڑھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ شیعوں کے لئے علیحدہ نشستیں مقرر کی جائیں .... پاکستان سُنی اسٹیٹ نہیں ہے بلکہ مُسلم اسٹیٹ ہے جس میں ہم برابر کے شریک ہیں اور رہیں گے۔ اقلیت بننا گوارا نہیں کرینگے۔ اقلیت بننا غیر مسلم کے شایاں ہے۔ مرزائیوں کا گروہ ہر مسلمان کی نظر میں غیر مسلم ہے (؟) اس قسم کی جماعتیں احرار کے نام سے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہیں کہ وہ اقلیت قرار پائیں مگر انہوں نے **اہم خطرات کا مقابلہ گوارا کرلیا لیکن اقلیت بننا گوارا نہیں کیا**۔ اس قسم کی تجویزیں اپنے حریفوں کی مراد برلانے اور انکے مقصد کو پروان چڑھانے کے مترادف ہیں۔"

(درنجف سیالکوٹ ۱۴؍فروری ۱۹۵۵ء)

۷۔ الفرقان کا مشورہ

مندرجہ بالا چند تازہ اقتباسات سے شیعہ سُنی **مناقشت** کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ دونوں فریق جماعت احمدیہ کو ہر طرح سے مظلوم سمجھنے کے باوجود اس کی تباہی کے لئے اکٹھے ہوجانے پر آمادہ رہے ہیں اور شاید آئندہ بھی آمادہ ہوجائیں۔ مگر ہمارا فرض ہے کہ ان سب کی خدمت میں مخلصانہ مشورہ پیش کر دیں۔

ہمارے نزدیک ان مشکلات کا حل یہ ہے۔ کہ شیعہ، سُنی اور دیگر تمام فرقوں کے لوگ حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ دو قانون مقرر کر دے :-

اوّل :- ہر وہ گروہ یا فرد جو اپنے آپ کو مسلمان کہے اُسے حکومتی کاروبار اور سیاسی و تمدنی حقوق کے لئے بہرحال مسلمان قرار دیا جائے گا" اس کے خلاف ورزی جرم ہوگی۔ اس بارے میں کسی عالم یا مولوی یا مجتہد کے فتوے کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

دوم :- کسی فرد یا فریق کو حق نہیں کہ وہ دوسرے شخص کی طرف ایسے عقائد منسوب کرے جو اس کے مسلمات میں سے نہ ہوں۔ یا ان کی ایسی تشریح کرے جو اُسے مسلم نہ ہو۔ ہر گروہ کے وہی عقائد مسلم ہوں گے جو ان کی مسلمہ مستند مذہبی کتاب میں درج ہوں گے اور ان کی وہی تشریح کی جائے گی جو ماننے والے کرتے ہوں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ صورت پیدا ہوجائے تو پاکستان سے فرقہ وارانہ مناقشت ختم ہوسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق ٭

بقایا داران حضرات

اپنے بقایا جات جلد ادا فرما کر ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں !

(مینجر الفرقان ربوہ)

حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت کے متعلق قرآنی فیصلہ

حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور قرآن پاک کے نزول سے چھ صد سال پیشتر ہوا تھا۔ آپ کے پیرو (نصاریٰ) اور آپ کے مخالف (یہود) اس امر پر متفق تھے۔ کہ حضرت مسیح کی ولادت معروف باپ کے ذریعہ نہ ہوئی تھی کیونکہ اسوقت تک حضرت مریمؑ کا کوئی خاوند نہ تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضرت مریم صدیقہ راستباز اور پاکدامن نہیں تھیں۔ اسلئے حضرت مسیحؑ کی ولادت بدکاری اور زنا کا نتیجہ تھی۔ عیسائی کہتے تھے کہ یہ تو درست ہے کہ حضرت مسیحؑ کا کوئی معروف باپ نہیں مگر وہ چونکہ ابن اللہ تھے اسلئے وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے انکا باپ خدا تعالیٰ ہے۔

یہود و نصاریٰ کا یہ اعتقادی اختلاف بہت بڑا اختلاف تھا۔ اتنا بڑا اختلاف کہ در اصل یہودیت اور نصرانیت کا سارا اختلاف اسی مرکزی نقطہ کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہود کا دعویٰ درست ہے تو حضرت مسیح کا ابن اللہ ہونا تو کجا ان کے پاکباز ما مور انسان ہونے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری طرف اگر مسیح کو بن باپ ولادت کی وجہ سے الوہیت کے عرش پر بٹھا دیا جائے تو توحید کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسلئے یہ بدیہی امر ہے کہ حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کا مسئلہ غیر معمولی مسئلہ تھا۔

قرآن مجید نے اپنا ایک منصب یہ قرار دیا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (النمل ۶) کہ یہ قرآن مجید بنی اسرائیل کے ان اکثر مسائل کا حل پیش کرتا ہے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔

قرآن مجید کی اس حیثیت کے مدنظر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی ولادت کے بارے میں ضرور اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا ہے۔ اسلئے ہمیں اس بارے میں قرآنی فیصلہ پر ہی حصر کرنا چاہیئے۔

یہود و نصاریٰ کے اس اہم نزاع کے تصفیہ کا ایک طریق تو یہ تھا کہ حضرت مسیح کے باپ کا نام بتا دیا جاتا اور انکی ولادت بن باپ کی نفی کر کے انکی ولدیت کا ذکر دیا جاتا۔ قرآن مجید پر ایک نظر ڈالنے والا بھی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ قرآن مجید نے یہ طریق ہرگز اختیار نہیں فرمایا۔ کسی ایک جگہ بھی صراحتاً یا اشارتاً یہ بیان نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ کے باپ فلاں تھے یا یہ کہ انکی ولادت با باپ تھی۔ قرآن مجید کے اس طریق سے ثابت ہے کہ وہ اس امر کا مدعی نہیں کہ مسیحؑ کا فلاں باپ تھا یا انکی ولادت باپ کے ذریعہ سے تھی۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے کہ اس نے قریباً دو درجن آیات میں حضرت مسیحؑ کو ابن مریم کہہ کر ذکر فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابن مریم کہنے سے جہاں یہ نصاریٰ کے قول ابن اللہ کی تردید مدنظر ہے وہاں پر حضرت مسیحؑ کے محض ماں سے پیدا ہونے کی طرف بھی واضح اشارہ ہے ورنہ انہیں بار بار ابن مریم کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے تنازعہ دربارہ ولادت مسیحؑ کے سلسلہ میں قرآن مجید نے یہود کو محض جھوٹے اور بہتان طراز قرار دیا ہے۔ فرمایا وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (النساء ۱۵۶) کہ ان لوگوں کو اسلئے بھی ملعون ٹھہرایا گیا کیونکہ انہوں نے حضرت مریمؑ پر بہتان باندھا تھا۔ دوسری جگہ

فرمایا قالوا یا مریمُ لقد جئتِ شیئًا فریًّا یا اختَ هارونَ ما کان ابوکِ امرأ سَوءٍ وما کانت اُمّکِ بغیًّا (مریم ۲۸) انہوں نے کہا تھا کہ اے مریم! تو ایک نادر فعل کی مرتکب ہوئی ہے۔ تیرا باپ تو بُرا آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔"

اِس سے ثابت ہے کہ ازروئے قرآن مجید یہودیوں کے لعنتی بننے کا موجب یہ بھی تھا کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی ولادت کو ناجائز ٹھہرایا تھا اور مریمؑ کو بدکار عورت۔

قرآن مجید یہودیوں کو جھوٹا اور بہتان تراش تو ٹھہراتا ہے۔ اس الزام لگانے کو اُن کے ملعون بننے کا موجب تو قرار دیتا ہے مگر وہ کسی ایک مقام پر بھی اشارتًا یا کنایۃً یہ ذکر نہیں کرتا کہ حضرت مسیحؑ تو فلاں شخص کے بیٹے تھے ان کا تو فلاں باپ تھا۔

اب آئیے ذرا عیسائیوں کے استدلال کی تردید قرآنی پر نظر کریں۔ عیسائی کہتے تھے کہ حضرت مسیحؑ چونکہ بے باپ پیدا ہوئے تھے اسلئے وہ خدا کے بیٹے تھے۔ وہ ابن اللہ اور خدا تھے۔ قرآن مجید نے بیسیوں مقامات پر ابنیت کے عقیدہ کی تردید کی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ یہ عقیدہ اتنا خطرناک ہے کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ (مریمؑ ۹) قرآن مجید نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے تھے۔

غرض قرآن پاک نے عقیدۂ ابنیت مسیحؑ کی پُرزور تردید کی ہے مگر سارے بیانات میں کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نادانو! تم جسے ابن اللہ کہتے ہو وہ تو فلاں مرد کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ تو فلاں شخص ہے تم خدا کو اس کا باپ کیوں قرار دیتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ کا فی الواقع کوئی باپ موجود تھا تو عیسائیت کے استدلال کو توڑنے کے لئے سب سے مضبوط اور قوی دلیل یہ تھی کہ اس کا تو فلاں باپ موجود ہے لیکن قرآن مجید کا اس کو بیان نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہ تھا۔ غور کیا جائے کہ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ قرآن مجید بار بار حضرت مسیحؑ کو ابن مریم کہتا ہے مگر ایک جگہ بھی ان کے باپ کے نام سے انہیں منسوب نہیں کرتا۔ حالانکہ عربی رسم، قرآنی قانون اور عرفِ عام کے مطابق بچے باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور انہی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

پس جس طریق پر قرآن مجید نے عیسائیوں کے زعم کو رد کیا ہے وہ یہ نہیں کہ مسیحؑ کا تو فلاں باپ تھا بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان کو اس سے بلند و بالا بیان فرمایا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ بیٹا تو فانی وجودوں کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فنا سے پاک ہے اسلئے اس کے لئے بیٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تردیدِ عیسائیت میں قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان واضح کرتا ہے کہ اگرچہ حضرت مسیحؑ کی ولادت حکمت الٰہیہ کے ماتحت بے باپ ہوئی تھی مگر اس سے ان کے ابن اللہ ہونے پر استدلال محض غلط ہے۔

قرآن مجید میں نجران کے عیسائی وفد کے دربار نبوی میں آنے اور مباحثہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی موقعہ پر آیت مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ ان عیسائیوں نے جب حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کو ان کی الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ
آدَمَ خَلَقَہٗ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

قرآن مجید کی پیشگوئیوں میں سے ایک عظیم الشان پیشگوئی

قتلِ دجّال کا ذکر سُورۂ بقرہ میں!

از مکرم جناب مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری۔ ربوہ

[ذیل کا لطیف مضمون محترم مولوی عبد اللطیف صاحب فاضل بہاولپوری نے اپنے خاص ذوق کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ ہمارے قارئین کرام اس سے بہت سے علمی فائدے حاصل کریں گے۔ اگر کسی جزئی سے اختلاف ہو تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی ہیں اس لئے کلی اتفاق ہونا لازمی نہیں ——— (ایڈیٹر)]

قرآن مجید علوم و معارف کا وہ بے پایاں خزانہ ہے جس کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں پیشگوئیوں اور اخبار مستقبلہ کے لئے بحرِ ذخار ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے متعلق انباءِ غیبیہ بکثرت موجود ہیں۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورہ نمل رکوع ۶) زمانۂ نزول قرآن سے لے کر آخری زمانہ تک کے ان حالات کے بیان پر مشتمل ہے جبکہ نیرِ اسلام کی شعاعیں اکناف عالم میں پہنچ کر اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کی تجلی سے خطۂ ارضی کو بقعۂ نور بنا رہی ہوں گی۔ قرآن مجید میں جس طرح نشأۃِ اولیٰ کے اولین دور کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی طرح اس کی نشأۃِ ثانیہ کی تفصیلات بھی اس قدر کثرت، تواتر اور تفصیلی واقعات جزئیات کے ساتھ بیان ہوئی ہیں جسے دیکھ کر حیرت ہوتی اور پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا اور علم و عرفان کی چاشنی سے دل مسرور اور مست ہو کر پیشگوئی انہار مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ کی تصدیق شہادت ادا کرتا ہے۔

قرآن مجید کے قصص و اخبار کو پیشگوئیاں سمجھ کر انہیں حالاتِ حاضرہ پر چسپاں کرنا یا بالفاظِ دیگر حالاتِ حاضرہ کا جائزہ فرقانِ حمید کی روشنی میں لینا یہ ذوق صحابہ و تابعین کے مقدس دور میں تو بکثرت ملتا ہے مگر بعد میں جوں جوں زمانۂ نبویؐ سے بُعد ہوتا گیا افسوس کہ اس میں کمی آتی گئی۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ۔ اس کا باعث کچھ تو سیاسی کشمکش تھی جبکہ دورِ ملوکیت میں جابر سلاطین کے اقتدار و تسلط کے باعث ان کا ظالمانہ ہاتھ ان امور کے برملا اظہار میں مانع تھا۔ (بلکہ صحابہ کے آخری دور میں بھی بعض شہادتیں اس کے متعلق ملتی ہیں) جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے واضح ہے۔ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ لَقُطِعَ بُلْعُوْمِیْ ھٰذَا (مشکوٰۃ) اور کچھ اس کا سبب یہ بھی

تھا کہ قرآن مجید کا مطالعہ و مراقبہ اِس نقطۂ نظر سے کرنے کا رواج ہی بدل گیا۔ اب ان پیشگوئیوں کو محض عالمِ آخرت سے ہی مختص تصور کر کے انہیں آئندہ زندگی پر چسپاں کیا جانے لگا۔ جیسا کہ کتب تفاسیر جو اُن زمانوں میں لکھی گئیں اُن کے مضامین اس پر شاہد ہیں۔ اور جن اقوام و اُمم گزشتہ کے قصص و واقعات کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا تھا اُن کو تو قصاص واعظین نے محض مجالسِ وعظ کو گرمانے اور عوام کو بہلانے کا ہی ذریعہ قرار دے لیا۔ اس طرح قرآن پاک کو مخالفین کے اعتراض إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ کا موردِ طعن اور نشانِ ہدف بنادیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مبعوث ہو کر جس طرح مسلمانوں کی عام اعتقادی اور علمی اور عملی غلطیوں کی اصلاح فرمائی اسی طرح اس غلطی کی طرف بھی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"قرآن شریف صرف قصہ گو کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۱)

اور فرمایا:۔

"جو قرآن مجید کو قصے سمجھے وہ میرے نزدیک مومن نہیں۔" (بدر ۹ جنوری ۱۹۰۸ء ص۱۱)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود ایدہ اللہ الودود جو حسن و احسان میں آپ کے ہی مثیل ہیں فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم تو جو تاریخی واقعہ بیان کرتا ہے وہ صرف پیشگوئی کے طور پر بیان کرتا ہے کہ آئندہ مسلمانوں سے بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔ چنانچہ ایک بھی تاریخی واقعہ قرآن کریم میں ایسا بیان نہیں ہوا کہ جس کے مشابہ واقعہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کی اُمت کے ساتھ نہ گزرا ہو۔ یا جو آئندہ نہ گزرنے والا ہو۔"

(تفسیر کبیر ص۱۹ ج۳ بضمن تفسیر سورۃ ہود)

بنا بریں حالات ہمارا فرض ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ اسی نقطہ کو مدّنظر رکھ کر کریں۔ ان قصص اور اخبار کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کا بدرقہ یا مشعلِ راہ سمجھیں اور اسی آئینہ میں ان حقائقِ غیبیہ کی تصاویر کا مشاہدہ کریں۔ مثال کے طور پر سورۃ بقرہ کو لیجئے اس کا نام محض اسلئے نہیں رکھا گیا کہ اس میں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا ایک قصہ ہے جبکہ بنی اسرائیل کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا بلکہ اس میں اس عظیم الشان فتنہ کے استیصال کی پیشگوئی ہے جس سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کو ڈراتے آئے ہیں یعنی فتنۂ دجال۔ مسلمانوں میں اس کی ابتداء خلیفۂ وقت کے قتل سے ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں آخر اسلامی نظام (نظامِ خلافت) ٹوٹ گیا۔ اور دجالی اقوام کو حدودِ اسلامی میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رؤیا پوری ہوئی جو فرمایا۔ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ۔ اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ

(بخاری ... جلد ۲ صفحہ ...)

اس سورۃ بقرہ میں اللہ تعالےٰ نے ان آنیوالے واقعات کا لطیف پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آیت إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے ذریعہ اس امر کا اعلان کیا گیا کہ

وہ عظیم الشان خلیفۃ اللہ (واضح ہو کہ خلیفۃ کی تنوین برائے تعظیم ہے) وہ موعود نبی جس کی بعثت کے متعلق انبیاء سابقین بشارتیں دیتے آئے ہیں وہ اب مبعوث ہو چکا ہے۔ اور اس کی بعثت سے عالمگیر شریعت کا نیا دَور یا عہدِ جدید شروع ہو چکا ہے۔ اس نئے دَور کے آدم وقت کی ذات میں تمام علوم اوّلین و آخرین کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ وعلّم اٰدم الاسماء کلّھا (حدیث عُلّمتُ علم الاوّلین و الآخرین بھی درحقیقت اِس آیت کی تفسیر ہے۔)

اب قوموں کی راحت اور اَمنِ عالم کا نظام اس آدمِ وقت کی اتباع سے وابستہ ہے۔ یا اٰدمُ اسکُن انتَ و زوجک الجنّۃ پہلے انبیاء علیہم السلام جو اپنے وقتوں میں مختلف خطّوں اور قوموں میں مبعوث ہو کر حکومت الٰہیہ یا آسمانی بادشاہت کے نظام کو قائم کرنے میں مصروفِ عمل رہے اب ان کی تکمیل کا وقت آ پہنچا۔ اور وہ آسمانی بادشاہت حسبِ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان اقوام سے جو اس کے سنبھالنے کی قابلیت و استعداد کھو بیٹھے تھے چھین کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو دی گئی۔ جیسا کہ انجیل میں آیا ہے کہ مسیحؑ نے کہا:-

"مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت
تم سے لے لی جائے گی۔ اور اس قوم کو
جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی"

(متی $\frac{21}{43}$)

یہ حکومت الٰہیہ خلافت اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے اور ہر ایک قسم کی آسمانی اور زمینی برکتیں اس نظام سے مربوط ہیں۔ چنانچہ وکلا منھا رغدًا حیث شئتما اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آگے فرمایا۔

اے مسلمانو! تم اس اسلامی نظام (نظامِ خلافت) کو چھوڑ کر ملوکی نظام۔ طاغوتی طریق آمریت اور دجالی تہذیب مغربیت کو اختیار نہ کرنا۔ ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظّٰلمین اس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت مسلمان اس ارشاد الٰہی کی خلاف ورزی کر کے خلافت راشدہ کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے۔ افسوس بہت عرصہ نہ گزرا کہ مسلمان اس ارشاد ربانی کو فراموش کر کے زمانۂ جاہلیت کی شخصی حکومت اور قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی طرف جھک پڑے فازلّھما الشیطٰن عنھا فاخرجھما ممّا کانا فیہ۔ جس کے نتیجہ میں مذہبی نظام نظام خلافت ٹوٹ گیا۔ اور خلافت راشدہ ہٹ کر اس کی بجائے ظالمانہ حکومت (آمریت) قائم ہو گئی جیسا کہ حدیث میں پیشگوئی فرمائی گئی الخلافۃ ثلٰثون سنۃً ثم تکون ملکًا (مشکوٰۃ کتاب الفتن)

واضح ہو کہ ہر وحی خفی (حدیث) کا منبع وحی جلی (قرآن مجید) ہے لہٰذا ہر حدیث کا ماخذ قرآن حکیم سے تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جب ہم قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ثلٰثون سنۃ کا ماخذ بھی قرآن حکیم میں موجود پاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع ۱۷ میں آتا ہے۔ وواعدنا موسٰی ثلٰثین لیلۃً واتممنٰھا بعشرٍ فتمّ میقات ربّہ اربعین لیلۃ اس میں ایک لطیف رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو مثیلِ موسیٰ ہیں) کے واقعات کی طرف بھی اشارہ ہے اگر دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مدنی دور

والے شمار کئے جائیں۔ تو اسلامی خلافت کے قیام کی مدت چالیس سال بنتی ہے۔ پھر فرمایا۔ وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدوّ۔ جس میں اشارہ ہے۔ کہ وہ نظامِ خلافت جو تمہارے قومی اتحاد کا حقیقی ذریعہ تھا۔ اس کے ٹوٹنے پر تمہاری آپس میں پھوٹ اور عداوت بڑھے گی۔ تب تم اسلامی خلافت کے آسمانی نظام سے محروم ہو کر ملوکیت کے ارضی نظام میں ایک عرصہ تک مبتلا رہوگے۔ ولکم فی الارض مستقرّ ومتاعٌ الیٰ حین۔ خلافت کے لحاظ سے یہ زمانہ فیج اعوج کہلائے گا جس میں الدّجال۔ الخنّاس۔ ہاں وہ بڑا اژدہا اپنی پرانی کینچلی اتار کر دنیا میں حملہ کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔ اور قوم یاجوج ماجوج مطابق پیشگوئی وھم من کلّ حدبٍ ینسلون۔ ہر ایک طرح کی رفعت و بلندی کے زمینی اسباب سے مسلح ہو کر اطرافِ عالم میں پھیل جائے گی۔ اور مذہب اسلام اور مسلمانوں پر ایسا زور سے حملہ کرے گی جس کی تاب وہ نہیں لاسکیں گے۔ بلکہ اس رَو میں بہتے ہوئے فتنۂ ارتداد کا شکار ہو کر لاکھوں مسلمان عیسائیت کی آغوش میں جا پڑیں گے تب غیرتِ الٰہی جوش میں آئے گی۔ اور حسب وعدہ انّا نحن نزّلنا الذّکر وانّا لهٗ لحافظون۔ اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کو نئے سرے سے زندگی عطا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ مسیح موعود اور مہدی معہود کو مبعوث فرمائے گا جو اپنے وقت کا آدم ہوگا۔ جسکی طرف اگلی آیت میں یوں اشارہ ہے۔ فتلقّیٰ اٰدمُ من ربّهٖ بکلماتٍ۔ پس یہ آدم وقت اللہ تعالیٰ سے تازہ وحی اور آسمانی نشانات حاصل کر کے انکے ذریعہ اسلام کا بول بالا کرے گا۔ وہ اسلام اور قرآن جو دنیا سے اٹھ کر آسمان پر پرواز کر چکا ہوگا دوبارہ اُسے واپس لا کر آسمانی برکات دنیا میں جاری کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے پھر مسلمانوں پر مہربان ہو کر ان کو ذلّت و ادبار کے گڑھے سے نکالکر فتح و اقتدار بخشے گا۔ فتاب علیه انّه هو التّواب الرّحیم میں یہی بشارت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کی صورت کیونکر ہوگی۔ فرمایا قلنا اهبطوا منها جمیعًا یعنی مسلمانوں کے متعلق حکم تکوینی صادر ہوگا۔ کہ اب تم اس پہلی ادنیٰ حالتِ ارضی سے نکلو اور تشتّت و انتشار اور باہمی عداوت اور پھوٹ کو چھوڑ کر اتحاد و اجتماع کے ساتھ اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاؤ۔ اور حبل اللہ کو اس زور و قوّت کے ساتھ پکڑو کہ تمہیں دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت اور بڑے سے بڑا ابتلاء اس جگہ سے نہ ہلا سکے۔ اسی ارشاد الٰہی کی تعمیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ تازہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں
جمع کرو۔ علیٰ دینٍ واحدٍ"
(تذکرہ صفحہ ۵۲۷)

اور حضورؑ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ امر جو ہے کہ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو علیٰ دینٍ واحدٍ۔ یہ ایک خاص قسم کا امر ہے احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جیسے نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ خون نہ کرو

دغیرہ - اس قسم کے اوامر میں ایک پیشگوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض ایسے بھی ہونگے جو اس کی خلاف ورزی کریں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا - غرض یہ امر شرعی ہے - اور یہ اصطلاح شریعت ہے - دوسرا امر کونی ہوتا ہے - اور یہ احکام اور امر قضاء و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں - جیسے قلنا یا نارُ کونی بردًا و سلامًا اور وہ پورے طور پر وقوع میں آگیا - اور یہ امر جو میرے اس الہام میں ہے - یہ بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے - کہ مسلمانانِ روئے زمین علیٰ دینٍ واحدٍ جمع ہوں - اور وہ ہو کر رہیں گے - ہاں اس سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کوئی کسی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے - اختلاف بھی رہے گا - مگر وہ ایسا ہوگا جو قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ نہیں "

(الحکم مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء صہ۲)

واضح ہو کہ ہبوط کا دو دفعہ ذکر آیا ہے - ایک ہبوط تو وہ تھا جبکہ مسلمانوں کے کرتوت بد کے باعث سلسلۂ خلافت ٹوٹ کر ان پر ملوکیت کا دور مسلط کیا گیا - یہ ہبوط تنزل تھا جس کے نتیجہ میں ان کی آپس میں پھوٹ اور عداوت پڑ کر وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہو گئی -

اور اب یہ دوسرا ہبوط ہبوطِ ارتقائی ہے - جو در اصل صعود ہے اور اس تنزلی ہبوط سے خروج ہے - چنانچہ ہبوط کے معنی خروج کے بھی ہیں الخروج من البلد والدخول فیہا من الاضداد

(روح المعانی)

اس ہبوط کے شاندار مستقبل کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں یوں کھینچا گیا ہے :-

" بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منارِ[1] بلند تر محکم افتاد "

(تذکرہ صہ۱۰)

سنو اس ہبوط کی تفسیر میں وہ ارشاد نبوی ہے - جو فرمایا - ثم تکون خلافۃ علیٰ منہاج نبوۃٍ (احمد و البیہقی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن)

اور سلف صالحین بھی اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرما گئے - ھبوط ولایۃ و استخلاف لا ھبوط طرد (فتوحات مکیہ للشیخ ابن العربی جلد ۲ باب ۴۸ صہ۱۲) کہاں ہیں وہ معترضین جو اس حدیث نبوی پر جرح و تنقید کر کے اسے ساقط الاعتبار ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مساعی کیونکر بار آور ہو سکتی

[1] یہ منارِ بلند تر کیا ہے اس کے لئے بھی آپ کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے - وہ کتاب جو تبیانًا لکلِّ شیءٍ ہے اس کے بیان سے کیونکر خالی ہو سکتی تھی - آپ اگر بنظرِ غائر مطالعہ فرماویں تو آپ کو سورۂ اعراف میں اس کی یوں بشارت ملیگی - وعلی الاعراف رجالٌ یعرفون کلًّا بسیماھم الآیۃ - یہ اعراف کیا ہے اور اہلِ اعراف کون ہیں؟ اس کے متعلق مفسرین کے بیس سے زائد اقوال ہیں جو بظاہر اس قدر متخالف اور متضاد ہیں - جن کو دیکھ کر بادی النظر میں انسان گھبرا اٹھتا ہے - مگر متلاشی حق اور حقیقت شناس کو گھبرانے کی ضرورت نہیں -

ہیں جبکہ اس کا ماخذ ہم بیّن اور واضح طور پر قرآن حکیم میں موجود پاتے ہیں۔ آگے اس ہبوط (ہبوطِ استخلاف) سے بہرہ ور ہونے والوں کو ان کے فریضہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جن کے نظر انداز کرنے سے پہلے دور میں مسلمان خلافت الٰہی جیسی اعلیٰ نعمت سے محروم رہ گئے۔ ارشاد فرمایا:-

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن
تبع ھُدایَ فلاخوفٌ علیھم
ولاھم یحزنون۔

یعنی وہ آسمانی سکیم جو خدا کا مہدی لائے گا۔ اور تمہارا ہادی بن کر تم پر جو کچھ پیش کرے گا۔ اس کی اتباع ہی تمہاری ہر ایک قسم کی کامیابی کی ضامن ہوگی اور تمہیں خوف و حزن سے مطمئن کر کے اسی دُنیا میں ہی تمہیں جنّت کا مقام عطا کرے گی۔ اس کے مقابل زمینی سکیمیں بجائے قلبی اطمینان اور تسکین کے ظلم و فساد اور حسرت و ناکامی کی آگ بھڑکانے والی ہوں گی ان سے بچنا۔

لاخوفَ لھُم نہیں فرمایا کیونکہ بعض قسم کے خوف بطور ابتلاء ضرور آئیں گے جیسا کہ آیت ولنبلونّکُم بشیءٍ من الخوف الخ میں ہے مگر یاد رہے کہ دوسری جگہ ولیبدّلنّھم من بعد خوفھم امناً کی بشارت بھی موجود ہے۔ مطلب یہ کہ خوف اُن پر مسلط نہیں ہوگا۔ جو قومی اور جماعتی لحاظ سے ان پر چھا جائے۔ جب قوم پر خوف مسلط ہو جاتا ہے تو اس کی ذہنیتیں پست ہو کر اُس کی ترقی رُک جاتی ہے۔ بالآخر وہ مُردہ ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ وہ لوگ جو ان احادیث کو بنظرِ استخفاف دیکھتے ہیں جن میں مہدی کا ذکر آیا ہے اور عقیدۂ مہدی کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں انہیں ٹھنڈے دل سے اِس ارشادِ ربانی پر غور کرنا چاہیئے۔ جو فرمایا اِمّا یاتینّکم منی ھدیً۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا کسی مامور کی بعثت کے بغیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت لانے والا مہدی نہیں کہلا سکتا تو اُسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر آپ بنظرِ امعان قرآن حکیم پر نگاہ ڈالیں تو قرآن مجید میں آپ اسی قسم کی ترکیب ایک دوسری جگہ بھی پائیں گے۔ البتہ فرق یہ ہے۔ کہ وہاں ھُدیً کی بجائے رُسل ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع ۴ میں ہے یا بنی آدم اِمّا یاتینّکم رُسلٌ منکم۔ اگر یہ سچ ہے کہ القرآن یفسّرُ بعضہٗ بعضاً۔ تو پھر کیوں نہ سورۂ اعراف کی آیت کو یاتینّکم منی ھدیً کی تفسیر سمجھیں۔ پس اس وقت مصدرِ ھدیً کو بمعنی مہدی قرار دیکر

بقیہ حاشیہ صلا۲

کیونکہ در اصل ان میں ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کا بیان نئے نئے پیرایہ میں واضح نظر آتا ہے۔

مضامیننا شتّی وحُسنُك واحد
وکلّ الی ذاك الجمال یشیر

اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو کسی وقت احباب کی خدمت میں اس کی حقیقت کا انکشاف جو خاکسار پر ہوا ہے۔ اس پر اظہار خیال کروں گا یہ بھی در اصل ایک پیشگوئی تھی جو اس زمانہ میں عین وقت پر پوری ہو رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

اس ترکیب کو زیدٌ عدلٌ کی ترکیب کی طرح سمجھا جائے۔ پس اس وقت ترجمہ آیت یوں ہوگا "جب مجسمہ ہدایت (مہدی) میری طرف سے تمہارے پاس آئے گا۔" رسولی کے لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ رسول ہوگا۔ اور سورۃ اعراف کی رُو سے ثابت ہے۔ کہ وہ بہت سے رسولوں کا مظہر بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ مرسلات کی آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

اب آگے پانچویں رکوع سے جو بنی اسرائیل کو خطابات ہیں انہیں صرف اسی قوم کے لئے ہی نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ان خطابات کا روئے سخن یقیناً اس بگڑی ہوئی اُمت کے ان نفوس کی طرف بھی ہے جنہوں نے یہود کے نقش قدم پر چل کر اور ان کے مثیل بن کر ان کا ہی نام پایا۔ جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی تھی۔ لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل۔ اور وہ واقعات جو اس قوم یہود کے اسلاف پر گزرے۔ انکا تذکرہ درحقیقت پیشگوئیاں ہیں جو اس اُمت میں بھی وہ واقعات کسی نہ کسی رنگ میں پیدا ہونے والے تھے۔ اگر میں ان سب کو بیان کروں تو یہ مضمون بہت لمبا ہو جائیگا۔ اسلئے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ جو سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی سورۃ میں اس کا ذکر یوں ہے واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃً۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو مثیل موسیٰ بھی ہیں اپنی قوم کو اس فرض کی طرف توجہ دلائیں گے کہ اس عظیم الشان فتنہ فتنۂ دجال (بقرہ) کو ملیا میٹ کرنے میں میرے ممد و معاون بنو جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جس کی طرف تسرّ النّاظرین میں اشارہ ہے یعنی عیسائیت کا پُرزور مقابلہ کرو۔ مغربیت کے اثر کو مٹا ڈالو فتنۂ تثلیث کے مقابل عَلَم توحید کا بلند کرو۔ مگر چونکہ یہ لوگ دجال رعب سے مرعوب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوں گے اور عیسائیت کے تبلیغی نظام سے اس قدر مبہوت ہونگے کہ ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکے گی کہ اس کے مقابل میں اسلام کا تبلیغی نظام قائم کیا جاسکے۔ تب کہیں گے اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا۔ کیا آپ ہم سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ بھلا ایسی قوم کے مقابل جس کی تہذیب و سطوت کا شہرہ چاردانگ عالم میں ہے۔ سیاسیات و اقتصادیات کے وہ مالک ہیں۔ مشرق و مغرب میں اس قوم کی حکومت ہے۔ عیسائیت کے تبلیغی نظام کا جال تمام دُنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ عیسائی مشنریوں کی پُشت پناہ بڑے بڑے امراء اور کروڑ پتی ہیں۔ اور علمی لحاظ سے بڑے بڑے فاضل۔ ڈاکٹر۔ فلاسفر اور سیاست دان ان کے ہاں بکثرت ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ عیسائیت کی تبلیغ پر صرف کیا جارہا ہے۔ ان کے مقابل اسلام کی تبلیغ کیونکر کامیاب ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس رعب کی وجہ سے تبلیغی مقابلہ کا خیال تو بجائے خود بلکہ اُن کتب کو بھی خریدنے اور ان کی اشاعت سے بھی وہ ڈرنے لگیں گے جو اسلام کی حمایت میں لکھی گئی ہوں گی۔ چنانچہ ابتداء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ شائع کی اور

اس کی ایک کاپی نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال کو بھیجی۔ تو انہوں نے کتاب لینے سے کنارہ کشی کی اور یہ عذر کر کے واپس کر دی کہ اس سے گورنمنٹ ناراض ہوگی۔ یہ نقشہ اور نمونہ ہے اس کیفیت کا جس کی طرف آگے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے کہ وما کادوا یفعلون۔

بقرۃً میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی وہ عظیم الشان گائے یا بیل جس کی تہذیب کا اثر دنیا کے اکثر حصہ پر پڑ رہا ہے۔ اس سے مراد مسیحی قوم ہے اور وحدتِ نوعی کی بنا پر اسے مفرد لفظ بقرۃ سے ذکر کیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دجال کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے۔

اس بقرۃ کو حضرت دانیال نبیؑ نے ایک ہولناک حیوان کی شکل میں سمندر سے نکلتے ہوئے دیکھا جو نہایت ہیبت ناک اور زبردست تھا اور اس کے دانت لوہے کے اور بڑے بڑے تھے اور دس سینگ تھے۔ اور ان کے درمیان سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا اور وہ سینگ مقدسوں سے جنگ کرتا اور ان پر غالب آتا رہا۔ جب تک کہ قدیم الایام نہ آیا۔ اس کے آنے پر تخت لگائے گئے۔ قدیم الایام بیٹھ گیا۔ عدالت جاری ہوئی۔ کتابیں کھلیں۔ آخر وہ حیوان مارا گیا۔ (دانی ایل $\frac{\text{۷}}{\text{۱ تا ۲۸}}$) اور مکاشفہ یوحنا میں بھی اس حیوان کے متعلق ذکر موجود ہے۔ (دیکھو مکاشفہ $\frac{\text{۱۳}}{\text{۱۱}}$)

واضح رہے کہ قدیم الایام سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کے متعلق قدیم الایام سے پیشگوئیاں کی جاتی رہیں جو مختلف قوموں اور مذہبوں میں موجود ہیں۔ انہی پیشگوئیوں کی بنا پر آپ موعود اقوام ہیں۔

انسانی گروہ پر بقرہ کے اطلاق ہونے کی شہادت بائیبل سے

ایک گروہ یا اُمت کو گائے کہنے کا محاورہ بائیبل میں بھی ہے۔ چنانچہ عاموس $\frac{\text{۴}}{\text{۱}}$ میں ہے:-

"اے بن کی گایو جو کوہ سامریہ پر رہتی ہو۔"

زبور $\frac{\text{۲۲}}{\text{۱۲}}$ میں ہے:-

"بن کے زور آور سانڈ مجھے گھیرے ہوئے ہیں ..... تُو نے سانڈوں کے سینگوں سے مجھے چھڑایا ہے۔"

بقرۃ کے ذکر سے دجالی گروہ مسیحی اقوام کی طرف اشارہ ہونے کے شواہد و دلائل قرآن مجید سے

اس بقرۃ کی تشخیص و تعیین کے متعلق قوم موسیٰ کی طرف سے جو سوالات ہوئے اور ان کے جواب میں جو جو علامتیں بتائی گئیں وہ بھی سب ان مسیحی اقوام میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی علامت۔ انّہا بقرۃٌ صفراءُ۔ حدیث میں بھی رومی قوم اور عیسائی حکومت کو بنو الاصفر کہا گیا ہے (بخاری) اور تاریخ میں بھی یہ زرد قوم کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ سفید اقوام بھی عیسائیت کی متبع اور اس کی اشاعت کے جوش میں پیش پیش ہیں۔ مگر عیسائیت کا مذہبی مرکز حکمتِ الٰہی کے ماتحت ہمیشہ اسی خطہ میں رہا جو زرد اقوام کا خطہ ہے۔

یعنی روم۔

(۲) دوسری علامت۔ نسُرّ النّاظرین۔ ان کی تہذیب و تمدّن، ان کی صنعت و حرفت اور ایجاد و اختراع لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کئے ہوئے ہے باوجود نقصان اٹھانے کے پھر بھی لوگ اس پر لٹّو ہو رہے ہیں۔

(۳) تیسری علامت۔ لا ذلولٌ۔ ذلّ البعیر سھل القیادۃ (منجد) اشارہ ہے کہ یہ اقوام سیاسی و اقتصادی لحاظ سے اس قدر طاقتور ہوں گی کہ انہیں قابو میں لانا آسان نہیں ہوگا۔ حدیث میں بھی ان کی یہی علامت مذکور ہے۔ لا یدان لاحدٍ بقتالھم (صحیح مسلم) ان سے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں ہوگی۔

دوسرے معنے ذلولٌ کے یہ ہیں۔ کہ یہ قوم اپنی گردن کو مذہبی جوئے تلے نہیں لائی ہوگی۔ ان کی تہذیب و تمدّن کے قوانین میں حیوانی خواہشات اور نفسانی شہوات کے پورا کرنے کے لئے تو گنجائش ہوگی مگر انسانیت اور اخلاق و روحانیت کے شجرۂ طیبہ کی آبیاری کے لئے ان کے ہاں کوئی ضابطہ نہیں ہوگا۔ تہذیب انسانی کی زمین کو طاقتور اور اس میں قلبہ رانی کرنے کے لئے ان کے دائرہ تہذیب میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی اور نہ ہی اقوام عالم کے امن کے خواہشمندوں کی پیاس بجھانے اور تسکینِ قلوب کا ان کے پاس کوئی سامان ہوگا تثیر الارض ولا تسقی الحرث میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

سورۃ روم میں اس رومی قوم کے غلبہ کی پیشگوئی وھم من بعد غلبھم سیغلبون کے الفاظ میں فرماتے ہوئے اس فرقہ کی طرف بھی انہیں توجہ دلائی گئی۔ اور ان الفاظ میں انہیں متنبہ کیا گیا ہے۔ اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الّذین من قبلھم کانوا اشدّ منھم قوّۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر ممّا عمروھا وجاءتھم رسلھم بالبیّنٰت فما کان اللّٰہ لیظلمھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون ○ (سورۃ روم ع۱)

(۴) چوتھی علامت۔ مُسَلَّمَۃٌ۔ محروسۃ جملہ بیماریوں اور خرابیوں سے محفوظ اور بچی ہوئی (تفسیر کبیر حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز) یہ صفت بھی ان اقوام کی مخصوص ہے۔ حفظانِ صحت، صفائی اور نظافت میں یہ اقوام ضرب المثل ہیں۔

(۵) پانچویں علامت۔ لَا شِیَۃَ فِیْھَا۔ اس کا رنگ ایک جیسا ہے کوئی اور غیر رنگ اس میں نہیں پایا جاتا۔ (تفسیر کبیر) یہ علامت بھی ان اقوام میں واضح طور پر موجود ہے۔ اپنے قومی و ملکی خصائص، تہذیب و تمدّن، لباس و خوراک وغیرہ میں یہ لوگ ہرگز دوسری اقوام کا اثر نہیں لیتے۔ ان کا لباس ایک یونیفارم میں ہوتا ہے۔ ناممکن ہے کہ ان میں سے کوئی پگڑی باندھے یا ایشیائی قسم کا کوئی لباس پہن لے۔ ایشیائی قوموں کی عادت تھی کہ فاتح قوم مفتوح اقوام

ہے کہ ان کی طرز تمدن، لباس وغیرہ میں اشتراک ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں ہی سلطنت مغلیہ کو دیکھیں۔ اکبر کے زمانہ میں نہ صرف عوام بلکہ سلاطین و امراء بھی ہندوانہ لباس میں اس طرح ملبوس نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والا امتیاز ہی نہیں کر سکتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

(۲) إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ۔ یہاں ایک یہ علامت بھی بیان کی جا سکتی تھی مگر اسے ہم نے پہلے اسلئے ذکر نہیں کیا کہ یہ نشان فریضہ تبلیغ کے طریق کار سے متعلق ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ جہاد ادا کرنے اور دجالی اثر و نفوذ مٹانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں نظام کی پابندی کرنی ہوگی اور اس جہاد تبلیغ میں طریق انتخاب سے کام لینا ہوگا۔ تمہارے تبلیغی جہاد کا نشانہ ان طبقہ پر ہونا چاہیئے جو عمر طبعی کے لحاظ سے اس مقام پر نہ پہنچ چکے ہوں جہاں انسان دوسرے کا اثر قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔

اور نیز اس طبقہ پر بھی یہ جارحانہ حملہ نہیں ہوگا جو عمر کے اس دور میں سے گزر رہے ہوں جہاں انہیں قانوناً کسی قسم کی قومی اور ملی تحریک میں حصہ لینے کی آزادی و حریت تام نہ ہو یہاں تک کہ ان کا ذہنی ارتقاء اس مقام پر نہ پہنچ جائے کہ مذہب کی شہ بیوں کو جذبات کی نظر سے نہیں بلکہ عقل و فکر کی روشنی میں دیکھ اور جانچ پڑتال کر سکیں۔

تَذْبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ میں بشارت ہے کہ آخر ایک وقت مسلم قوم کی آنکھ کھلے گی اور اپنے ہادی اور مہدی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس فریضہ جہاد میں حصہ لے گی تب دنیا میں انقلاب رو نما ہو جائے گا اور دجال پر اس زور سے حملہ ہوگا جس سے دجالی نفوذ ملیا میٹ ہوگا اور مغربیت کی روح کچلی جائے گی۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ انقلاب کب تک ہوگا۔ قرآن مجید کتاب ناطق اس بیان سے خاموش نہیں۔ آپ اگر ذرا غور کریں تو اسی جگہ انہی آیات میں آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کے مطالبہ کا جو تین دفعہ ان الفاظ ذکر ہوا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس انقلاب کے لئے تین صدیاں مقدر ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا۔

"یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں

میں گھبراہٹ ڈالے گا۔ کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۵)

فذبحوھا میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ قتلوھا یا خنقوھا یا عقروھا کے الفاظ نہیں آئے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دجّال پر حملہ محض اس کو جان نکالنے اور ذات مٹانے کے لئے نہیں ہو گا۔ بلکہ یہ حملہ ایسے رنگ میں ہو گا کہ اس کی وہ سرکشی اور تمرد جو اسے خدا کے قدوس اور مذہب اسلام سے ٹکر لگانے اور ظلم و سفاکی کا جوش رکھنے والا دم مسفوح نکل جائے۔ اور وہ حلال و طیب ہو کر اسلام اور مخلوق خدا کیلئے ایک مفید وجود بن سکے۔ یہاں تو اس کے ذبح کا ذکر ہے۔ مگر حدیث میں اس کے اہل جنت کی خوراک بننے کا بھی ذکر ہے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر خدمت دین اور اشاعت اسلام میں مسلمانوں کا معاون و ناصر ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تکون الارض یوم القیامۃ خبزۃ واحدۃ یتکفأھا احدکم خبزتہ فی السفر نزلا لاھل الجنۃ ..... ثم قال الا اخبرک بادامھم بالام والنون۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الحشر)

(ترجمہ) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن زمین روٹی کی طرح ہو گی جسے خدا کے جبار اس طرح الٹائے پلٹائے گا جیسے مسافر سفر میں روٹی جلدی جلدی پکاتا ہے۔ وہ روٹی جنتیوں کی مہمانی ہو گی۔ پھر فرمایا۔ کیا تمہیں ان جنتیوں کے سالن کے متعلق نہ بتاؤں۔ فرمایا ان کا سالن بیل اور مچھلی ہو گا۔"

اس حدیث میں دو انقلابات کا ذکر ہے پہلے تو زمانہ کے جغرافیہ پیدا ہونے والے تھے۔ اس انقلابی دور کا ذکر ہے جبکہ دنیا سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے گویا ایک مٹھی میں آ جائے گی اور روٹی کی طرح ہو جائے گی۔ اور پھر خدا کے جبار کے ہاتھوں اسے بڑے زبردست جھٹکے لگیں گے اور زور آور حملے ہوں گے جن کی وجہ سے آخر وہ مجبور ہو کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں گی

اور ظہور و اشاعت اسلام کا نشر اور اسلام کی برتری ہو اور قوموں
پر حکومت اقوام سے ہوگا۔ تب جا کے گا تب مساوات
انسانی کے پلیٹ فارم پر سب کسی طرح گامزن ہوگی۔
جو کہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ لا تریٰ فیہا عوجاً
ولا امتاً۔ چنانچہ حضرت نے قدوس کی تازہ وحی میں بھی
جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل
ہوئی اس مضمون کی طرف یوں توجہ دلائی گئی ہے کہ:-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس
کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کریگا
اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی
سچائی ظاہر کردیگا" (تذکرہ صفحہ ۱)

اس حدیث میں دو جانوروں کا ذکر ہے۔ ایک بیل اور دوسرے مچھلی۔ ان دونوں کا ماخذ قرآن مجید میں موجود ہے بیل کا تو یہاں ذکر ہے اور مچھلی کا ذکر سورۃ کہف میں ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کشف کا ذکر ہے۔ بیل اور مچھلی سے مراد یاجوج و ماجوج کی دو قومیں ہیں۔ ایک خشکی میں رہنے والی بری قوم اور دوسری جزائر میں رہنے والی بحری اقوام۔ بیل روسی قوم ہے کمیونزم کی باقی ممالک کی تحریک کا اثر زیادہ تر زمیندار طبقہ پر پڑ رہا ہے۔

مچھلی کا کھانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصیب نہ ہوا بلکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ سے نکل کر زندہ سمندر میں جا گھسی۔ واتخذ سبیلہ فی البحر عجباً۔ (کہف ع ۹) اس میں اشارہ ہے کہ اسلام کی اشاعت ان قوموں میں موسوی ذریعہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اس مرد خدا کے ذریعہ ہوگی جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس سے ملو اور اس سے حقائق و معارف سیکھو۔ فوجدا عبداً من عبادنا اٰتینٰہ من لدنا علماً۔ یہ مبارک وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ مگر اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے بعثت ثانیہ کا دور مقدر ہے۔ جبکہ مجمع البحرین کا موقعہ ہوگا۔ یعنی دو سلسلوں اسرائیلی اور اسماعیلی کا اجتماع ایک بروزی وجود ذوالقرنین میں ہوگا۔ اور مسیح موعود علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوں گے جبکہ مشرقی اور مغربی اقوام کے اتحاد کے لئے ایک پلیٹ فارم تیار ہو کر مجمع البحرین کا منظر پیش کریگا۔ اس وقت اس عظیم الشان مچھلی کا شکار اس مرد کامل کے لئے مقدر ہے۔ اسی کا ذکر حدیث بالا میں ہے۔ فتدبر۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؂

لفظ توفّی کے بارے میں مکمل بحث

راولپنڈی کے ایک صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس چیلنج کے متعلق ایک ٹریکٹ لکھا ہے۔ جو حضور نے لفظ توفّی کے بارے میں شائع فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آئندہ نمبر میں لفظ توفّی کے معنوں کے بارے میں مکمل بحث شائع ہو رہی ہے۔ احباب انتظار فرمائیں۔

(ایڈیٹر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور اُن کا مقام

(از مکرم جناب غلام احمد خان صاحب ایڈووکیٹ پاکپٹن)

مسلمانوں میں ایک فرقہ بدقسمتی سے ایسا چلا آتا ہے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی مذمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور انہیں ذرا خیال نہیں آتا کہ نعوذ باللہ اگر صحابہ کرامؓ ایسے ہی تھے جیسے کہ وہ سمجھتے ہیں تو حسب منطوق اصول کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان صحابہ کرامؓ سے معلوم شد۔ پس ایسی مذمت کی زد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سیدھی پڑتی ہے اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اگرچہ صحابہ کرام کی مدح اور تعریف سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ تاہم سعید لوگوں کی راہنمائی کے لئے بعض آیات قرآن کریم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہیں :-

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ؕ
(الفتح ع)

یعنی وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ کے اُوپر ہے۔ پس جس نے عہد توڑا تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنی جان پر عہد توڑتا ہے۔ اور جس نے عہد پُورا کیا جو کہ اُس نے دراصل اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بہت بڑا اجر دیگا۔"

اِس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی شان اور فضیلت اظہر من الشمس ہے۔ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتا تھا درحقیقت وہ اللہ تعالےٰ کی بیعت کرتا تھا۔ ایسے صحابہ کرام کے ہاتھوں کے اوپر اللہ تعالےٰ کا ہاتھ ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہو جاتی تھی۔ بشرطیکہ وہ شرائط بیعت پر قائم رہیں۔ اور وہ اس عہد بیعت کے پورا کرنے اور نبھانے پر اجر عظیم کے مستحق ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اسی آیت کے مطابق ہر ایک صحابی نے علیٰ قدر مراتب اپنا اجر عظیم پایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے اپنے مراتب کے مطابق اجر عظیم پایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو علی الترتیب خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا دیا۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ان میں سے کسی نے عہد بیعت مذکور توڑ دیا تھا۔ اور وہ اجر عظیم کا مستحق نہیں ہوا تھا۔ تو واقعات ثابتہ کی موجودگی

میں اس بات کا بارِ ثبوت ان کی گردن پر ہے۔

(۲) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(الحجرات ع)

یعنی جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لیا کرے تو تم ایذا اور تکلیف میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی زینت دی ہے اور تمہیں کفر، فسق اور نافرمانی سے نفرت دلائی ہے۔ یہی لوگ راشدین یعنی بھلائی پانے والے ہیں بسبب فضل اور نعمت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اس آیت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی پختگی کا پتہ لگتا ہے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے **الراشدون** کا خطاب ملتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر، فسق اور نافرمانی سے نفرت بھی دلائی ہے۔ چنانچہ اسی خطاب الراشدون کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ خلفائے راشدین مشہور چلے آتے ہیں۔ زبانِ خلق را نقارۂ خدا سمجھو۔

ہاں ہم اگر کوئی کہتا ہے کہ ان میں سے کوئی کفر، فسق اور نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے تو اس کا بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ لیکن واقعات ایسے شخص کے صریح طور پر خلاف ہیں۔

(۳) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(الفتح ع)

یعنی جب ان لوگوں نے جو کافر ہوئے اپنے دلوں میں جہالت کی ضد ٹھان لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی تسکین اتار دی اور ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے بہت حقدار تھے اور اس کے لائق تھے اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یعنی مومنین پر تسکین نازل ہوتی تھی اور مصائب اور ابتلاؤں اور تکالیف میں بھی وہ تقویٰ پر قائم رہتے تھے اور ان کو ان درجات کا حقدار قرار

دیا گیا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی مذمت کرنے والے لوگ ان کے بارے میں اپنی من گھڑت باتیں پھیلاتے ہیں۔ نہ معلوم پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر یکلخت وہ کیسے بگڑ گئے؟ یہ بات صریح طور پر عقل کے خلاف ہے۔ اسلئے ان کے بگڑنے کا بارِ ثبوت بھی ایسا کہنے والوں کے اوپر ہے۔

(۴) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلہ ع ۳)

اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوی عزت والا زبردست ہے۔ تو کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہوں ایسا نہ پائیگا کہ وہ اس سے جو اللہ اور اسکے رسول کا مقابلہ کرتا ہے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ کے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور اس نے اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ اور وہ انکو باغات میں (بہشتوں میں) داخل کریگا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ حزب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ خبردار یقیناً حزب اللہ ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ہی کامیاب اور غالب کر دیا تھا۔ اور جو مومنین ابتداء سے لیکر آخر تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کامیابی اور غلبہ کے حصول میں کوشاں رہے اور انہوں نے اپنے عزیز و اقارب کی بھی پرواہ نہ کی تھی انہی کا ذکر اس آیت میں آتا ہے۔ وہ رُوح من اللہ سے تائید یافتہ تھے۔ اور اللہ تعالےٰ نے انہی کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی سند عطا فرمائی تھی۔ اور حزب اللہ کے خوشکن خطاب اور لقب سے یاد فرمایا تھا۔ ایسے جملہ صحابہ کرامؓ پر یہ انعام ہوا تھا۔ لیکن یہ بھی مسلّم امر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ بن خطاب۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت علیؓ بھی انہی مومنین میں

شامل ہیں۔ جو کہ مکی اور مدنی زندگی میں ابتداء سے لیکر آخر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کامیابی اور غلبہ کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اس طرح وہ بھی رُوحٌ من اللہ سے تائید یافتہ تھے اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور خطاب و لقب حزب اللہ کے کامل اور اتم طور پر مصداق تھے۔ اور حزب اللہ ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الترتیب خلافت کی خلعت بھی عطا فرما دی تھی۔ اسلئے آیت اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے کامل اور اتم طور پر مصداق ثابت ہوئے۔

تاریخی طور پر یہ واقعہ مشہور و معروف ہے کہ عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے والد سے کہا کہ فلاں جنگ میں آپ میرے وار کی زد میں آ گئے تھے۔ لیکن میں نے آپ پر حملہ نہ کیا اور غالب ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جواب میں کہا۔ کہ بیٹا اگر تم جنگ میں میرے وار کی زد میں آ جاتے تو میں تم کو کبھی نہ چھوڑتا۔ اس واقعہ سے حضرت ابوبکرؓ کا اللہ تعالیٰ اور یوم الآخرت پر پختہ ایمان ثابت ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے پیارے بیٹے کی بھی پرواہ نہ تھی۔ اور یہ دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسلئے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ حزب اللہ میں بدرجہ اولیٰ شامل تھے۔ پس ایسے مردِ خدا کا خلیفہ بلا فصل ہونا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے۔

(۵) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (التوبہ ع ۱۳)

اور آگے بڑھ جانے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے اخلاص سے ان کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

مہاجرین میں سے سابقون الاولون میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ مشہور و معروف ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ میں بدرجہ اولیٰ انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی سند حاصل ہوئی۔ اور وہ اس دنیا میں بھی باغات کے مالک ہوئے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم الشان کامیابی میں شمار کیا ہے۔

(۶) وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○ .... لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ○ (الواقعہ ع)

اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں۔ یہی لوگ مقرب ہیں نعمت کے باغات میں .... یعنی داہنی طرف والوں کیلئے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سابقون میں ہونے کے لحاظ سے اس دنیا میں بھی مقربین الٰہی میں شمار ہوتے تھے اور پھر خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لحاظ سے آگے نکلے ہوئے یعنی سابقون ثابت ہوگئے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو سب سے بڑا سابق تھا اسے اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بلافصل بنا دیا۔ علیٰ ہذا القیاس باقیوں کو بھی اپنی مسابقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے علی الترتیب خلیفے بنایا۔

(۷) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً
تَاْخُذُوْنَهَا نَعَجَّلَ لَكُمْ فَكَفَّ
اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ۔

یعنی اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کرتے تھے۔ پس اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ اسے جان لیا تو اس نے ان پر سکینت اتاری اور ان کو فتح قریب کا بدلہ دیا۔ اور بہت سی غنیمتوں کا بھی بدلہ دیا جنکو وہ جلد حاصل کریں گے اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دے گا۔"

فروری ۶۲۸ء عیسوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ پندرہ سو صحابہ کرام کی معیت میں اپنے خواب کی بناء پر طواف کعبہ کی نیت سے مکہ کی طرف چل پڑے۔ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آپ نے وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مکہ والے مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو مکہ والوں سے بات چیت کرنے کے لئے مکہ بھیج دیا۔ جب حضرت عثمانؓ کو واپسی میں دیر لگ گئی تو بعض شرارت پسندوں نے مشہور کر دیا کہ مکہ میں حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا۔ اور فرمایا کہ سفیر کی جان ہر قوم میں محفوظ ہوتی ہے۔ اگر عثمانؓ کو مکہ والوں نے قتل کر دیا ہے اور یہ خبر درست نکلی تو پھر ہم بزور مکہ میں داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا جو لوگ یہ عہد کرنے کو تیار ہوں کہ اگر ہمیں آگے بڑھنا پڑا تو یا تو ہم فتح کر کے لوٹیں گے یا میدان جنگ میں ایک ایک کر کے کٹ مریں گے۔ وہ اس عہد پر میری بیعت کریں۔ (اس اعلان سے حضرت عثمان کی اہمیت کا پتہ لگتا ہے) چنانچہ سب صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے سے بڑھ کر درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ غیر حاضر تھے اسلئے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کی بجائے اپنا ہاتھ بیعت کیلئے اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا۔ اس طرح ضمناً حضرت عثمانؓ کی بیعت لی۔ (اس طریق بیعت سے بھی حضرت عثمانؓ کی اہمیت ظاہر ہے) اور یہ خصوصیت ایسی ہے کہ اس میں کوئی اور صحابی شریک نہیں۔ یہ بیعت اسلامی تاریخ میں بیعت تحت الشجرہ کہلاتی ہے۔ اسکی اسقدر اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں کیا ہے۔ (باقی آئندہ)

آیتِ مباہلہ سے شیعہ صاحبان کے استدلال پر ایک نظر

(جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد مولوی فاضل)

سیدنا حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور جناب حسن و حسین علیہما السلام کی جلالتِ مرتبت اور عظمتِ شان سے کسی مسلم کو انکار نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ اُن کے بارے میں صحیح روایات میں جس قدر مناقب و محاسن بیان ہوئے ہیں وہ ہمارے نزدیک دین و عقیدہ کا جزو ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہ سبھی مقدس اور مطہر اور خدا نما وجود گلشنِ نبوت کے حسین پھول اور آسمانِ روحانیت کے درخشندہ ستارے ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کے طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن کیا کیا جائے ہمارے بعض معزز دوست جنہیں تنہا اہلبیت نبویؐ سے عشق و فدائیت کا ادعا ہے، وہ بعض اوقات قرآن مجید کا مطالعہ ہی اِس نقطۂ نظر سے کرتے ہیں کہ آیات کا مضمون خواہ کچھ ہو اسے کھینچ تان کر خاندانِ نبوت کے کسی نہ کسی فرد پر چسپاں کر دیا جائے۔ اور پھر فوراً اس پر خلافت بلا فصل کی پوری عمارت تعمیر کر دی جاتی ہے۔ جو ایک محقق اور حق پسند کے لئے کسی طرح زیبا نہیں۔

مثلاً حال ہی میں اسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بعض دوستوں کی طرف سے آیت مباہلہ ($\frac{12}{3}$) کے ساتھ بعض روایات کو ملا کر یہ پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی تقریب پر چونکہ پنجتن ہی کو رکھا ہے لہٰذا ان کی باقی ساری اُمت پر فضیلت اور حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل ثابت ہے۔

ہماری رائے میں یہ استدلال علم کلام میں سب سے زیادہ کمزور اور بیتِ عنکبوت کا مصداق ہے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت مباہلہ اپنے ماحول اور سیاق و سباق اور اغراض و مقاصد کے لحاظ سے فقط عیسائیت کے ابطال، حضرت مسیحؑ کی الوہیت کے ردّ اور توحیدِ الٰہی کے ثبوت کے لئے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اِس مقام کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا۔ اور انہوں نے آپؐ سے الوہیتِ مسیح پر گفتگو کی جس کے خاتمہ پر حضورؐ کو بارگاہِ الٰہی سے مباہلہ کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ "فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ" کے الفاظ اس طرف صاف اشارہ کر رہے ہیں۔ نیز اگلی آیت (وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰه) بھی یہی اعلان عام کر رہی ہے کہ اس میں خدا کی وحدانیت کا اثبات مقصود ہے۔ یہاں خلافت بلا فصل یا حضرت فاطمہ زہراؓ اور جناب حسنؓ و حسینؓ کے عالی مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

پھر یہ خیال احادیث کی روشنی میں بھی سراسر

بے بنیاد قرار پاتا ہے ۔ کیونکہ تفسیر درمنثور اور ابن عساکر میں خود ائمہ شیعہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اُن کے بیٹے اور پوتے ، حضرت عمر فاروق رضؓ اور اُن کے بیٹے ، حضرت عثمان رضؓ اور اُن کے بیٹے ، حضرت علی رضؓ اور اُن کے فرزند اپنے ہمراہ لیکر مباہلہ کے لئے نکلے تھے ۔ اِس روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

" عن جعفر بن محمد عن ابیہ فی ھٰذہ الاٰیۃ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ الاٰیۃ قال فجاء بابی بکر وولدہ وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ وبعلی وولدہ "

(تفسیر درمنثور صفحہ ۳۹ جلد دوم)

اِس واقعاتی شہادت کے بعد کسی تحقیق پسند اور متین انسان کو یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس آیت کو پنجتن کے لئے مخصوص نہیں فرمایا ۔ ورنہ حضور علیہ التحیۃ والسلام فداہ ابی و امی خلفاء اربعہ اور اُن کے نونہالوں کو کیوں ہمرکابی کا شرف بخشتے ۔

قرآن و حدیث کے علاوہ لغوی اعتبار سے بھی اِس شیعی استدلال کی کوئی گنجائش نہیں ۔ کہ آیتِ مباہلہ صرف پنجتن کے ساتھ مخصوص تھی ۔ کیونکہ متذکرہ آیت میں ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم کے الفاظ ہیں اور زبانِ عرب میں ابناء اور نساء کا لفظ ایک وسعت رکھتا ہے اور حقیقی بیٹوں اور پوتوں کے علاوہ قوم کے فرزندوں اور وطن کی بیٹیوں پر بھی مستعمل ہے اور قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں ۔ مثلاً سورۃ بقرہ ع ۶ میں اللہ تعالیٰ زمانہ رسالت کے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ۔

کہ اے بنی اسرائیل - - - - - خدا تعالیٰ نے تمہیں فرعونیوں کے اس رنجدہ اور دردناک عذاب سے نجات بخشی کہ وہ تمہارے ابناء کو موت کے گھاٹ اُتارتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے ۔"

ظاہر ہے کہ فرعون کے دورِ استبداد میں مظالم کا نشانہ بننے والے یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بسنے والے یہودیوں کے بیٹے یا نواسے نہیں تھے ۔ اور نہ حضرت موسےٰ کے وقت کی یہودی خواتین ہی چھٹی صدی عیسوی کی فضاء میں سانس لینے والے بنی اسرائیل کی

بیٹیاں تھیں۔

اس کے علاوہ خود اس آیت مباہلہ میں ابناءکم اور نساءکم کے الفاظ اس امر کی ناقابلِ تردید اندرونی شہادت ہیں۔ کہ عربی زبان میں ابناء اور نساء میں غیر معمولی وسعت ہے۔ ورنہ اس حصہ آیت کے معنی ہی کیا ہوسکے؟ کیا کوئی صاحبِ عقل وخرد یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کی شرائط میں یہ رکھا ہو کہ نجران کے عیسائی اپنے نواسے، اپنی بیٹیاں اور اپنے داماد لائیں تو مباہلہ ہوگا۔ جس طرح شیعہ صاحبان کے زعم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ان الفاظ میں تخصیص کر دی گئی تھی۔ کہ پنجتن پاک کے سوا کوئی اس کا مخاطب نہیں ہے۔

بلاشبہ بعض روایات میں صرف پنجتن کی شرکت کا ذکر موجود ہے۔ مگر وہ روایات جرح وتعدیل یا درایت کے لحاظ سے حد درجہ مخدوش ہیں۔ اور اگر انہیں صحیح بھی فرض کر لیا جائے تب بھی درمنثور کی مندرجہ بالا روایت اور ان روایات میں بآسانی تطبیق دی جا سکتی ہے۔

اور وہ یوں کہ شیعوں کی معتبر تفسیر قمی (ص۹۵) کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نجرانیوں کو دعوت مباہلہ دی تو انہوں نے اپنی قیام گاہ کی طرف جا کر اس دعوت پر بحث وتمحیص کی اور فیصلہ کیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے افراد کے ساتھ شریک مباہلہ ہوں۔ تو ہمیں مباہلہ منظور ہوگا۔ لیکن اگر وہ تنہا اپنے اہل بیت کو لے کر آئیں تو ہم ان سے مباہلہ نہیں کریں گے۔

اگر یہ روایت درست تسلیم کر لی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خدا کے حکم کی تعمیل میں خلفاء اربعہ اور اُن کے افرادِ خاندان کو ہمراہ لے کر مباہلہ کے لئے نکلے ہوں۔ لیکن بعد میں جب حضورؐ کو وفد نجران کے آخری فیصلہ کا علم ہوا ہو تو صرف اہل بیت میں سے چار افراد کی رفاقت کافی سمجھی گئی ہو۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ وقوع میں نہیں آیا۔

بالآخر یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید زندہ خدا کی ہمہ گیر، کامل اور ابدی شریعت ہے۔ اس کا کوئی حکم محض وقتی یا ہنگامی نوعیت کا نہیں۔ کہ اسے محض ایک واقعہ سے مقید کر کے چند روایات کے پردہ میں زینت بنا کر رکھ دیا جائے۔ یہ تو شہنشاہِ کون ومکان کا شاہی فرمان ہے جس کا ایک ایک نقطہ اور ایک ایک شعشہ زمان ومکان کی حد بندیوں سے بے نیاز ہو کر ابدیت کی وسعتوں کو جگمگا رہا ہے۔ یہی خصوصیت مباہلہ کی معرکۃ الآراء اور عظیم الشان آیت کو حاصل ہے۔ جب کبھی حق وباطل کی جنگ ایک خاص مرحلہ میں داخل ہوگی اس فرمانِ الٰہی کے مطابق جماعتِ مومنین کو مباہلہ کا حق حاصل رہے گا۔ اس وقت اُمتِ مسلمہ ابناء، انفس اور نساء کے وسیع لغوی معنوں کی رُو سے جن افراد کو بھی مباہلہ میں شامل کرنا چاہے گی وہ اس آیت

کے مصداق سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر ابناء، انفس اور نساء کو صرف پنجتن ہی سے مخصوص کر دیا جائے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان پاکیزہ وجودوں کے عالم فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی پر طلوع کرنے کے بعد اب مسلمان ہرگز مباہلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مباہلہ میں "پنجتن پاک" کی موجودگی ضروری ہے۔ جس کا تحقق قیامت تک ممکن نہیں ہے۔

پس میں اپنے معزز دوستوں سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست کروں گا۔ کہ اگر وہ جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے حقائق کی دنیا میں آئیں۔ اور قرآن کے ماحول میں آیت مباہلہ کے سیاق و سباق، اس کے پس منظر اور ابدی افادیت کے مختلف گوشوں پر غور و فکر فرمائیں تو انہیں بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی اور آیت یا حدیث سے اُن کے نقطۂ نظر کو کوئی سہارا مل سکے تو الگ امر ہے۔ ورنہ اس آیت سے تو نظریہ "خلافت بلا فصل" کی نہ صرف تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ مباہلہ کے لئے خلفاء اربعہ اور ان کے صاحبزادوں کی رفاقت ان کے خیال کو پاش پاش کر رہی ہے۔

ے
ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

اپیل

رسالہ الفرقان اس وقت آٹھویں سال میں ہے۔ اس رسالہ کا مقصد قرآنی حقائق کی اشاعت اور اسلام و احمدیت کے عقائد کی وضاحت اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا دفاع ہے۔ احمدیت کے مخالف تحریکوں پر تبصرہ کرنا بھی اس رسالہ کے دائرۂ عمل میں شامل ہے۔

اس رسالہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ نے اس رسالہ کے بارے میں سالانہ جلسہ کے موقع پر ہزاروں کے مجمع میں فرمایا کہ :-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ ۳۰-۴۰ ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"

(الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

میں جملہ احباب جماعت خصوصاً امراء اور صدر صاحبان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہم خرما و ہم ثواب کے طور پر اس رسالہ کی خریداری کی توسیع کیلئے کوشش فرما دیں۔ رسالہ کے قیمتی اور علمی مضامین ان کی علمی ترقی کا موجب ہونگے۔ دوسرے احباب تک اسے پہنچانے میں فریضۂ تبلیغ ادا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی نیت کر لیں کہ ہم اپنے امام کے مندرجہ بالا ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں۔

اس اپیل کو کامیاب بنانے والے احباب کے نام دُعا کیلئے شکریہ کے ساتھ درج رسالہ ہوں گے۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

خاکسار

ابو العطاء جالندھری ربوہ

بہائی تحریک کے لیڈر کی وفات اور بہائیوں کے حالات

بہائی تحریک کے لیڈر جناب شوقی افندی نومبر ۵۷ء میں فوت ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے بعد کسی ایک لیڈر کے مقرر کئے جانے کی وصیت نہیں کر گئے۔ اور ان لوگوں کے ہاں جانشین کا تقرر جمہوری طریق پر انتخاب سے نہیں ہوتا۔ بلکہ محض نامزدگی سے ہوتا ہے۔

چونکہ شوقی افندی آنجہانی کی وصیت نہیں مل سکی اسلئے بہائیوں نے ۲۶/۲۷ آدمیوں کی ایک مجلس کو انتظامی کونسل قرار دے لیا ہے۔ دو اقتباسات قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش ہیں:۔

۱۔ امریکن رسالہ "دی ویکلی نیوز میگزین" اپنی ۹ دسمبر ۵۷ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"بہائی مذہب کے بانی یعنی بہاء اللہ ("ظہور خدا") نے اپنے بیٹے ("انسان کامل") کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اور بیٹے نے اپنے بعد نواسے یعنی شوقی آفندی ربانی ("مویّد من اللہ") کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ گذشتہ ماہ جب ۶۱ سالہ شوقی آفندی ایشیائی انفلوئنزا کا شکار ہو کر چل بسا تو ایفوئس سے لیکر ایران تک بہائیوں میں یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ اس نے کس شخص کو نگران کے فرائض سرانجام دینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ چنانچہ حیفا میں گذشتہ ہفتہ بہائی تحریک کے عالمی ہیڈ کوارٹرز میں بہائی مذہب کے ۲۷ بڑے بڑے لیڈروں (ایادی امر اللہ) میں سے ۲۶ لیڈر اس غرض سے باہم جمع ہوئے کہ شوقی آفندی کی وصیت میں سے اس کا جواب تلاش کیا جائے۔ ان ۲۶ لیڈروں نے ہیڈ کوارٹرز واقع ۱۰ پرشین سٹریٹ کو چھان مارا انہوں نے شوقی افندی کی تجوری یعنی خفیہ صندوق کی بھی تلاشی لی۔ لیکن کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ وہ تمام ہفتہ خفیہ اجلاسوں میں باہم جمع ہو کر اس بارے میں غور کرتے رہے۔ نگران کے منصب سے متعلق دو امیدواروں کے درمیان رقابت کی افواہوں کے بارہ میں انہوں نے قطعاً لب کشائی نہیں کی گویا کہ انہوں نے منہ سی رکھے تھے ان امیدواروں میں سے ایک امریکن بیان کیا جاتا تھا انہوں نے اس مسئلہ کا جو حل تلاش کیا بالآخر اسکا اعلان کر دیا گیا جو یہ ہے کہ آئندہ قطعاً کوئی نیا نگران مقرر نہیں کیا جائے گا اس کی بجائے حیفہ میں نو آدمیوں پر

مشتمل ایک کونسل ہوگی جو" ایادی امراللہ علی الارض المقدسۃ" کہلائے گی۔ اس نئی جماعت کو شریعت کی تشریح یا وضاحت بیان کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

جب بہائی لیڈروں کا یہ اجلاس ختم ہوا تو پیرس کے ایک بہائی لیڈر نے کہا کہ اگر شوقی آفندی کوئی وصیت چھوڑ کر جاتے تو پھر کسی الجھن کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ تاہم بہائیوں کو امید ہے کہ شریعت کی تشریح اور تعبیر کے بغیر انہیں زیادہ عرصہ نہیں رہنا پڑیگا بانی مذہب بہاء اللہ نے یہ حکم دیا تھا کہ جب ۷۵ ملکوں میں بہائیت پھیل جائے تو پھر بہائی ایک عالمی بیت العدل منتخب کریں جسے مذہبی قوانین کی تدوین اور بہائی تعلیمات کی تشریح و تعبیر کا اختیار حاصل ہو۔ بہائیوں کا کہنا ہے کہ آزاد خیالی اور عالمی اخوت کا مذہب یعنی بہائیت اب تک ۲۶۰ چھبیس ملکوں میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ اور تیزی سے پھیل رہی ہے۔"

۲۔ پاکستان سے نکلنے والا بہائی رسالہ "بشارت" کراچی لکھتا ہے - - - - -

" وہ وقت آپہنچا جس کا ذکر خداوند عالم نے کتاب اقدس میں فرمایا ہے کہ حضرت بہاء اللہ کے وجود مبارک سے جب تک آفتاب ظہور درخشاں ہے امور ملت اور اوقاف حضرت بہاء اللہ کے دست اختیار میں رہیں گے۔ اور جب یہ آفتاب ظہور غروب ہو جائیگا تو یہ امر اغصان کے دست انتظام میں ہوگا اور جب اغصان بھی نہ رہیں تو یہ انتظام بیت العدل کے ہاتھ میں جائیگا اگر بیت العدل قائم ہو چکا ہو۔ اور اگر اغصان بھی نہ ہوں اور بیت العدل ابھی قائم نہ ہوا ہو تو یہ نظام امر اُن اہل بہاء کے سپرد ہوگا جو حکم خدا کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔

سو ان دنوں وہی وقت آگیا ہے جبکہ اغصان بھی کوئی نہیں اور بیت العدل اعظم بھی ابھی قائم نہیں ہوا ہے۔ اس لئے نظام امری حضرات ایادی امراللہ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ولی امراللہ شوقی ربانی اروا حنا فداہ نے اپنی آخری تحریر میں حضرات ایادی امراللہ کو حکم دیا کہ وہ نظام امر کو سنبھالیں اور فرمایا کہ " وہ امراللہ کے منتظمین اعلیٰ" ہیں۔ اب خدمت امراللہ کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ہے۔" (فروری ۱۹۵۸ء)

حضرت مسیح کی بن باپ ولادت کے متعلق قرآنی فیصلہ

(بقیہ صفحہ ۸)

کُن فیکون ۔ (آل عمران ۶) کہ مسیح کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مانند ہے ۔ آدم کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں اور بغیر باپ کے محض مٹی سے پیدا کیا اور فرمایا کہ ہو جا سو وہ ہو گیا۔

عیسائیوں کے استدلال کی تردید میں اللہ تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے استدلال کی تو بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ مسیح تو بن باپ پیدا ہی نہیں ہوا تھا ۔ بلکہ اس نے ان کے استدلال کو اس طرح رد فرمایا کہ بن باپ پیدا ہو جانا الوہیت کی دلیل نہیں ۔ اگر یہ الوہیت کی دلیل ہوتی تو پھر حضرت آدمؑ کو جو طرفین کے نزدیک بے باپ اور بے ماں پیدا ہوئے تھے ضرور خدا ماننا چاہیئے تھا ۔ حالانکہ حضرت آدمؑ کو عیسائی بھی مخلوق مانتے ہیں ۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمانا ۔ اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اسی طرح قدرتِ خداوندی سے بن باپ پیدا ہوئے تھے جس طرح حضرت آدمؑ بلا ماں اور بلا باپ پیدا ہوئے تھے ۔ اس قسم کی ولادت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تو دلیل ہے لیکن وہ اس طرز پر پیدا ہونے والے **مولود** کی خدائی کی دلیل ہرگز نہیں۔

ایک اور لطیف استدلال قرآن مجید سے یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو فرمایا ہے اُذکُر نِعمَتِی عَلَیکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ (المائدہ ع۱۵) کہ تو میرے اس احسان کو یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کیا ہے ۔ پھر فرمایا مَا المَسِیحُ ابنُ مَریَمَ اِلَّا رَسُولٌ قَد خَلَت مِن قَبلِہِ الرُّسُلُ وَاُمُّہٗ صِدِّیقَۃٌ کَانَا یَاکُلَانِ الطَّعَامَ (المائدہ ع۱۰) کہ مسیح بن مریم صرف ایک رسول تھے ان سے پہلے بھی رُسل گزر چکے ہیں ۔ ان کی **والدہ** نیکو کار تھیں وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے ۔ پھر قرآن مجید خود حضرت مسیح کا قول نقل فرماتا ہے وَبَرًّا بِوَالِدَتِی (مریم ع۲) کہ میں اپنی والدہ سے حسنِ سلوک کرنے والا ہوں۔

ان تمام مقامات پر حضرت مسیح کی والدہ کا ذکر ہے ۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ یہ خاص طور پر اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے ذکر ہوا ہے کہ حضرت مسیح کی صرف والدہ ہی تھیں اُن کا باپ کوئی نہ تھا۔

یہ بات اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جب اسی سورۃ میں ذرا پہلے حضرت یحییٰؑ کے بارے میں وارد شدہ قول وَبَرًّا بِوَالِدَیہِ (مریم ع۱) کو مدنظر رکھ لیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰؑ کو ماں باپ سے حسنِ سلوک کرنے والا بتلاتا ہے ۔ اور حضرت مسیح کو صرف والدہ سے حسنِ سلوک کرنیوالا قرار دیتا ہے ۔ اس موازنہ میں بجز اس حقیقت کے اظہار کے اور کیا مدنظر ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی ماں اور باپ دونوں موجود تھے مگر حضرت مسیح کی صرف والدہ تھیں والد نہ تھے ؟

علاوہ ازیں قرآن مجید نے حضرت مسیح کی بن باپ ولادت کی دو موقعوں پر صراحت فرمائی تھی ۔ سورہ آل عمران اور سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت میں ندرت اور غیر معمولی قدرتِ خداوندی کے کرشموں کے ہونے کا ذکر فرمایا ہے ۔ دونوں جگہ حضرت مسیح کی بے باپ ولادت کا تذکرہ ہے ۔

سورۂ آل عمران کے ابتدائی حصہ میں حضرت مریمؑ کی والدہ کے نذر ماننے اور پھر حضرت مریمؑ کی ولادت کا تذکرہ ہے ۔ اسی ضمن میں بتایا گیا کہ حضرت زکریاؑ کے دل میں

(باقی صفحہ ۳۶)

کاسرِ صلیب کا ایک علمی معجزہ

جس نے دنیائے مسیحیت میں تہلکہ مچا دیا

(مکرم جناب مولوی محمد صدیق صاحب شاہد ربوہ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کو ادبار اور تنزل کے بعد آخری زمانہ میں جو اقبال اور ترقی ملنے والی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہوگی اور ان کی کھوئی ہوئی جاہ حشمت اور شان و شوکت مسیح آخرالزمان کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد ہی میسر آئے گی۔

چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے " ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" (صف) یعنی وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند کریں۔ مفسرین سابقہ اس آیت کریمہ کو مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا یہ موعودہ غلبہ اسی کے زمانے میں ہوگا چنانچہ تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ..... ذلک عند خروج عیسیٰ (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۲) کہ اس آیت میں جس غلبہ اسلامی کا ذکر ہے وہ مسیح موعود کی بعثت کے بعد واقع ہوگا۔

اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے " کیف تھلک امۃ انا فی اولھا والمسیح فی اخرھا " کہ وہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں میں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور آخر میں مسیح ہوگا۔ یعنی اس زمانہ میں تو میں اسلام کی ترقی اور عروج کا باعث ہوں اور آخر میں اس کی ترقی کا باعث مسیح ہوگا۔

امت محمدیہ کے ایک فرد کو انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک کا نام یعنی "مسیح" محض اس تفاول کی بنا پر دیا گیا ہے۔ کہ اس مسیح محمدی کے زمانے میں مسیح موسوی کی بگڑی ہوئی امت اپنے دجل و فریب دھوکہ بازی اور دغابازی سے دنیا کے چپہ چپہ پر مسلط ہونے والی تھی۔ پس ضروری تھا کہ مسیح موسوی کے نام پر پھیلائے ہوئے غلط عقائد اور مکر و فریب کی قلعی امت محمدیہ میں سے وہ شخص کھولے جو اسی نام سے موسوم کیا گیا ہو۔

اس مسیح کی علامات بیان فرماتے ہوئے رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ولیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر"۔ اس حدیث میں

مسیح موعود کی چار علامتیں بیان کی گئی ہیں ۔ حکم عدل ہوگا ۔ کسر صلیب کرے گا ۔ خنزیر کو قتل کرے گا ۔ مقدم الذکر دو علامات میں مسیح موعود کے اس کام کی طرف اشارہ ہے جو اسے مسلمان عوام و خواص میں سرانجام دینا ہے ۔ اور مؤخر الذکر دو علامات میں ۔ مسیح کے اس کام کی طرف اشارہ مقصود ہے جو اسے قصر مسیحیت کو منہدم کرنے کے لئے پورا کرنا ہے ۔

ہو سکتا ہے کوئی شخص کہے کہ یکسر الصلیب کے معنے یہ ہیں کہ مسیح کاٹھ کی صلیب کو لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور پھر یہ دعویٰ کرے گا ۔ کہ میں کسر صلیب کر چکا ۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نبی کا یہ مشن قرار دینا حد درجہ مضحکہ خیز امر ہے کہ وہ آئیگا اور لکڑی کی صلیبیں صبح و شام توڑتا پھرے گا ۔ ہم اسے بھی معقول سمجھ لیتے اگر مسیحیت کی کاٹھ کی صرف چند صلیبیں نصب ہوتیں ۔ اور ان کو توڑ دینے سے آئندہ کے لئے کسی نئی صلیب کے بنانے کا امکان ختم ہو جاتا ۔ یا چند صلیبوں کے توڑنے کے ساتھ ہی مسیحیت کے طوفان کے ختم ہو جانے اور اس کے سارے طلسم کے ٹوٹ جانے کی امید ہوتی ۔ کوئی صاحبِ عقل انسان اس امر کو معقول نہیں سمجھ سکتا ۔ کیا وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر حکمت کلام کی ایک ایسی تعبیر کی جائے جو ہر پہلو سے غیر معقول اور بے حقیقت ہو ۔ پس حدیث کے الفاظ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہو سکتا ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر غور سے کام لیا جائے تو کسر صلیب کے صرف ایک ہی معنے مراد ہو سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آنے والا مسیح عیسائیوں کی مصنوعی مسیحیت کا تار و پود بکھیر کر رکھ دے گا ۔ اور عیسائیت کے دجل فریب کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ کر دے گا جس سے مسیحی تحریک کی کمر ٹوٹ جائے گی ۔ اور یہ دریا جو اپنی وسعت میں دنیا کو سمیٹتا نظر آتا ہے اپنی گزرگاہ کو بھی سیراب نہ کر سکے گا ۔ چنانچہ شارحین احادیث میں سے محققین نے بھی ان ہی معنوں کو ترجیح دی ہے ۔ کہ کسر صلیب سے مراد ابطال نصرانیت ہے ۔ علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں " فتح لی ھنا معنی من الفیض الالٰہی وھو ان المراد من کسر الصلیب اظہار کذب النصاریٰ حیث ادعوا ان الیہود صلبوا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی خشبۃ فاخبر اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز بکذبھم وافترائھم " (عمدۃ القاری فی شرح بخاری جلد ۵ ص [illegible] مطبوعہ مصر)
یعنی مجھ پر کسر صلیب کے معنے الہاماً کھولے گئے ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں کہ مسیح موعود آکر نصاریٰ کے اس کذب کا خوب اظہار کر دے گا جو وہ کہتے کہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر مار دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بھی ان کے کذب اور جھوٹ کی خبر دی ہے ۔

پس بات صاف ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مفوضہ کام جو آپ نے سرانجام دینا تھا وہ کسر صلیب تھا یعنی مسیح کی صلیبی موت کا ابطال اور مسیحیت کے دیگر غلط عقائد کی تردید ۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دلائل بینہ اور براہین قاطعہ سے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو صلیب سے زندہ ہی اتار لیا گیا تھا ۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو بدیہی طور پر کسر صلیب کی حدیث کو پورا کرنے والی ہے ۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے ۔ کہ ان دنوں مختلف

مذاہب کے پیروؤں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حادثہ صلیب کے متعلق چار مختلف قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں

اوّل۔ یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے گئے اور وہ صلیب پر ہی فوت ہوئے یا الفاظ دیگر مسیح کاسر صلیب نہ ہوئے بلکہ صلیب کاسر مسیح ہوئی۔ کہ بے چارے مسیح حادثہ صلیب کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہوئے۔

دوئم:۔ عیسائیوں کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر ہی فوت ہوئے گویا مسیح مکسور اور صلیب کاسر رہی۔

سوئم:۔ غیر احمدی مسلمانوں کے خیال میں مسیح علیہ السلام کو حادثہ صلیب سے دوچار ہونا ہی نہیں پڑا۔ بلکہ آپ کے ہم شکل ایک اور شخص کو یہود نا مسعود نے صلیب پر لٹکا دیا۔ اور وہ مارا گیا۔ یعنی نہ ہی مسیح حدیث کے ظاہری معنوں کے پیش نظر کاسر صلیب ہوئے اور نہ ہی صلیب مسیح کا کچھ بگاڑ سکی بلکہ مسیح کو حادثہ صلیب پیش ہی نہیں آیا۔

چہارم:۔ چوتھا نظریہ اس بارہ میں جماعت احمدیہ کا ہے۔ جس کی بنیاد ٹھوس علمی اور تاریخی تحقیق پر ہے۔ اور یہی ایک نظریہ ایسا ہے جس کے ذریعہ مسیح علیہ السلام کی ذات بابرکات کاسر صلیب قرار دی جا سکتی ہے۔ اور صلیب اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہو کر شکستہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے تو ضرور گئے تھے مگر بدبخت یہود اپنی تمناؤں کو بروئے کار نہ لا سکے اور جو مقصد ان کے پیش نظر تھا۔ کہ وہ مسیح کو نعوذ باللہ ملعون ثابت کریں اس مقصد میں خدائی مشیت نے انہیں ناکام کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ ہونے کی حالت میں صلیب پر سے اتار لیا۔ اور چند دن کے لئے زمین دوز پناہ گاہ میں علاج و معالجہ کے بعد آپ افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر تشریف لے آئے اور یہیں آپ نے وفات پائی۔ اس تحقیقی نظریہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حدیث یکسر الصلیب کو لفظاً اور معناً دونوں طریق پر پورا کر دکھایا۔ قصر مسیحیت کے در و دیوار حضور علیہ السلام کی حقانیت اسلام پر مشتمل تحریروں کے سامنے لرزہ براندام تو تھے ہی اس تحقیق سے عیسائیت کا رہا سہا وقار بھی خاک میں مل گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام امام آخرالزمان کا یہ دعویٰ فلسفہ مابعدالطبیعات کے دور از قیاس قضایا پر مشتمل نہ تھا۔ بلکہ ٹھوس دلائل اور قاطع براہین پر مشتمل ایک علمی ریسرچ ہے جس کی تائید اگر ایک طرف تاریخی اور واقعاتی شواہد سے ملتی ہے۔ تو دوسری طرف بے شمار منقولی دلائل کتب مقدسہ سے اس تحقیق کی صداقت پر دال ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بیشتر کتب میں اس تحقیق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور بہ تمام و کمال یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر سے زندہ ہی اتار لیا گیا تھا۔ اور آپ بموجب حدیث: ان عیسی ابن مریم عاش عشرین و مائۃ سنۃ (طبرانی)

ایک سو بیس سال تک زندہ رہے تھے۔ اور پھر اس طبعی عمر کے بعد فوت ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔ "غرض مسیح ابن مریم کو صلیبی موت سے مارنا یہ ایک بڑا اصل ہے کہ جس پر اس مذہب کے تمام اصولوں

کفارہ، تثلیث وغیرہ کی بنا درکھی گئی تھی۔ اور یہی وہ خیال ہے کہ جو نصاریٰ کے چالیس کروڑ انسانوں کے دلوں میں سرایت کر گیا ہے اور اسکے غلط ثابت ہونے سے عیسائی مذہب کا کچھ بھی نہیں رہتا۔ اگر عیسائیوں میں کوئی فرقہ دینی تحقیق کا جوش رکھتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ان ثبوتوں پر اطلاع پانے سے وہ بہت جلد عیسائی مذہب کو الوداع کہیں۔ اور اگر اس تلاش کی آگ یورپ کے تمام دلوں میں بھڑک اٹھے تو جو گروہ چالیس کروڑ انسان کا انیس سو برس میں طیار ہوا ہے ممکن ہے کہ انیس سال کے اندر دست غیب سے ایک پلٹا کھا کر مسلمان ہو جائے کیونکہ صلیبی اعتقاد کے بعد یہ ثابت ہونا کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مارے گئے بلکہ دوسرے ملکوں میں پھرتے رہے یہ ایسا امر ہے کہ یکدفعہ عیسائی عقائد کو دلوں سے اڑاتا ہے اور عیسائیت کی دنیا میں انقلاب عظیم ڈالتا ہے۔"

(راز حقیقت صـ۱۴)

اس مختصر مقالہ میں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرونگا کہ وہ کونسے حقائق تھے جن کے پیش نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ نے عام مسلمانوں۔ یہودیوں اور نصاریٰ کے مرتسم فی الاذہان عقائد کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک جداگانہ نظریہ اختیار کیا۔

دلیل اوّل:۔ سب سے پہلی دلیل جو مجھے اس امر کے اثبات میں پیش کرنی ہے وہ صحف سابقہ میں مندرج واضح اور بیّن پیشگوئیاں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موسوی کو مخالفین کے مختلف الشیوع مظالم کا نشانہ بننا پڑے گا اور وہ اس کی تذلیل و تحقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ مگر خدائی نصرت آڑے وقت میں کام آئے گی اور مسیح ان سے مخلصی پائے گا۔ چنانچہ زبور ۲۲ اور ۱۱۸ میں صاف لکھا ہے

کہ وہ موعود شخص مصیبت سے مخلصی کے لئے دعا کرے گا اور اس کی سنی جائے گی۔ یعنی وہ بچا لیا جائے گا۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

(۱) "کیونکہ نہ تو اس نے مصیبت زدہ کی مصیبت کو حقیر جانا نہ اس سے نفرت کی نہ اس سے اپنا منہ چھپایا۔ بلکہ جب اس نے خدا سے فریاد کی تو اس نے سن لی۔ بڑے مجمع میں میری ثناخوانی کا باعث تو ہی ہے۔"

زبور ۲۲/۲۴

(۲) "میں مروں گا نہیں بلکہ جیتا رہوں گا۔ اور خداوند کے کاموں کا بیان کروں گا۔ خداوند نے مجھے سخت تنبیہ تو کی لیکن موت کے حوالہ نہیں کیا۔"

زبور ۱۱۸/۱۷-۱۸

مذکورہ بالا زبوریں جن کے حوالے اوپر درج کئے گئے ہیں۔ عیسائی مناّدوں کے نزدیک مسلم طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہیں چنانچہ پادری اکبر مسیح "ابنیت عیسوی" میں۔ ڈاکٹر جے علی بخش صاحب "تفسیر زبور" میں اور ڈاکٹر سٹینٹن صاحب "تفسیر متی" میں اس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ان زبوروں میں حضرت مسیح کے دعویٰ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور آپ کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں کیونکہ ان زبوروں کی ایک ایک آیت انجیلی واقعات سے مطابقت رکھتی ہے۔

پس ہر دو حوالجات اس بات پر دال ہیں کہ حضرت مسیح کا صلیبی موت سے بچنا ایک لازمی اور لابدی امر تھا کیونکہ صاف لکھا ہے "موت کے حوالے نہیں کیا بلکہ جب خدا تعالیٰ سے مصیبت اور تکلیف کی فریاد کی۔ تو اس نے سن لی۔ چنانچہ عبرانیوں ۵ میں آتا ہے۔

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور
سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں
اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا
تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی
سنی گئی ۔"

پھر دونوں زبوروں میں اس امر کا ذکر بھی موجود ہے ۔ کہ مسیح علیہ السلام اس مصیبت سے نجات پانے کے بعد ایک بڑے مجمع کو خطاب کریں گے ۔ اور ان سے اپنی نجات کا تذکرہ کریں گے ۔ پس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے تھے تو اس پیشگوئی کو بھی جھوٹا قرار دینا پڑے گا ۔ کیونکہ حادثہ صلیب تک آپ کو ماننے والے صرف بارہ حواری تھے ۔ اور وہ بھی بوقت مصیبت چھوڑ کر بھاگ گئے (متی $\frac{۲۷}{۵۶}$) لہٰذا ہم ان کو مجمع کس طرح قرار دے سکتے ہیں ۔ پس مجمع وہی تھا جس کے متعلق مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ "اور بھی میری بھیڑیں ہیں ۔ جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہو گا ۔" (یوحنا $\frac{۱۰}{۱۶}$)

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ بخت نصر بادشاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے دس قبائل افغانستان و کشمیر کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے تھے ۔ پس مسیح علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میری اور بھیڑیں ہیں اس سے وہی دس قبائل مراد تھے ۔ چنانچہ آپ بموجب پیشگوئی صحف سابقہ صلیب سے نجات پانے کے بعد ان قبائل میں آئے اور اپنی نجات کا بڑے بڑے مجمعوں میں اعلان کرتے رہے ۔

دلیل دوم : حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے بچنے پر مسیح علیہ السلام کی خود اپنی پیشگوئی بھی دال ہے جو آپ نے صلیبی موت سے بچنے کے متعلق فرمائی تھی ۔ چنانچہ مشہور انجیل نویس متی کہتا ہے ۔

"اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے
جواب میں اس سے کہا اے استاد ہم تجھ سے
ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اس نے جواب
دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور
حرامکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں ۔ مگر یوناہ
نبی کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا
جائے گا ۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن
مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم
تین رات دن زمین کے اندر رہے گا ۔"

(متی $\frac{۱۲}{۳۸-۳۹}$)

ان آیات میں مسیح علیہ السلام نے جہاں فقیہوں اور فریسیوں کو عام نشانات دکھانے سے انکار کیا ہے ۔ وہاں ایک نشان کے دکھانے کا وعدہ بھی کیا ہے اور اس نشان کو یوناہ نبی کے نشان سے مشابہ قرار دیا ہے ۔ یوناہ نبی کے معجزہ کا ذکر یوناہ $\frac{۱}{۱۵}$ تا $\frac{۲}{۱۰}$ میں بایں الفاظ مذکور ہے ۔

"اور انہوں نے یوناہ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک
دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہو گیا ......
لیکن خداوند نے ایک مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ
یوناہ کو نگل جائے اور یوناہ تین دن رات
مچھلی کے پیٹ میں رہا تب یوناہ نے مچھلی کے
پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے یہ دعا کی ....
.... اور خداوند نے مچھلی کو حکم دیا اور
اس نے یوناہ کو خشکی پر اگل دیا ۔"

یہود اور نصاریٰ کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام یا یوناہ نبی زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں

گئے - اور زندہ ہی وہاں رہے - اور زندہ ہی باہر آئے تھے - پس مسیح علیہ السلام کے نشان کو یوناہ نبی کے نشان سے مشابہت تو تب ہی ہو سکتی ہے - جب آپ صلیب سے زندہ اتار لئے جائیں اور زندہ قبر میں داخل کئے جائیں - لیکن اگر بقول نصاریٰ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح صلیب پر وفات پا گئے تھے - گویا آپ مردہ ہونے کی حالت میں قبر میں داخل کئے گئے تھے تو نشان کس طرح ہوا اور یوناہ کے نشان سے مشابہت کیسی ؟ کیا یوناہ مچھلی کے پیٹ میں تین دن رات مردہ رہا تھا - اور مچھلی کے منہ سے باہر آتے ہی زندہ ہو گیا تھا؟ اگر یہ صحیح نہیں اور جیسا کہ یہود اور مسیحی حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں تو ماننا پڑے گا کہ مسیح علیہ السلام بھی زندگی کی حالت میں قبر میں داخل کئے گئے تھے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب آپ صلیب پر سے زندہ اتار لئے جائیں -

اس جگہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے - اور اکثر مسیحی حضرات مذکورہ بالا دلیل کے جواب میں یہ پیش کرتے ہیں - کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو اپنے معجزہ یا نشان کو یوناہ نبی کے معجزہ سے مشابہت دی تھی وہ دراصل مشابہت زمانی تھی - نہ کہ حیات و ممات میں یعنی مسیح نے یہ فرمایا تھا - کہ جس طرح یوناہ نبی تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا - اسی طرح میں بھی تین رات دن قبر میں رہونگا - باقی یہ کہ زندہ رہونگا یا مردہ اس کا یہاں ذکر نہیں -

عیسائی صاحبان کی یہ توجیہہ شاید اندھی تقلید کرنے والے کے لئے تو باعث تسکین ہو سکے - مگر اس شخص کے لئے جو حقائق و شواہد کا گرویدہ ہو وہ ان کے دجل و فریب سے اطلاع پا کر اور بھی زیادہ بدظن ہو جائے گا - کیونکہ یوناہ ۱ : ۱۷ میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ " تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا"

یہ عیسائی اور پادری صاحبان کی وہی انجیل سازیوں کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے - کیونکہ انگریزی بائبل میں صاف لکھا ہے -

"Three days and Three nights"

یعنی یوناہ نبی تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے - لیکن مسیح علیہ السلام کا قبر میں ٹھہرنے کا عرصہ از روئے انجیل صرف ایک دن اور دو رات بنتا ہے - کیونکہ مسیح کو جمعہ کی شام کو قبر میں رکھا گیا تھا - ہفتہ کا دن اور رات وہاں رہے پھر اتوار کی صبح کو وہاں موجود نہ تھے چنانچہ آتا ہے -

" جب سبت کا دن گزر گیا تو مریم مگدلینی اور یعقوب کی ماں مریم اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آکر اس پر ملیں - وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں وہ آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائیگا جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے .... اور قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں اس نے ان سے کہا ایسی حیران نہ ہو تم یسوع ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو - وہ جی اٹھا ہے وہ یہاں نہیں ہے دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے اسے رکھا تھا "
(مرقس ۱۶ : ۱ تا ۶)

پس یہ صرف تحریف ہے جو انہوں نے اپنا مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اردو بائبل میں کی ہے - اور حقیقت وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بموجب اپنی پیشگوئی کے صلیب سے زندہ اتارے گئے - اور زندہ ہی قبر میں داخل کئے گئے اور زندگی کی

حالت میں ہی قبر سے باہر آئے اس لحاظ سے آپ کے نشان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ورنہ قبر میں ٹھہرنے کے عرصہ کے لحاظ سے حضرت مسیحؑ اور حضرت یونسؑ کے نشان میں مشابہت نہیں ہے۔

دلیل سوم:۔ تیسری دلیل جو اس امر کے اثبات میں پیش کرنی ضروری ہے وہ خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں حضرت مسیح علیہ السلام کی شب و روز کی دعائیں اور التجائیں ہیں جو آپ نے اس موت کے پیالہ کو ٹالنے کے لئے نہایت اضطراب اور کرب کی حالت میں کیں۔ چنانچہ انجیل میں مذکور ہے کہ

اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ
میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے
رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں اور
پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ
لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا اس وقت
اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین
ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے
تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو
پھر ذرا آگے منہ کے بل گر کر یوں دعا کی۔
کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے (متی ۲۶/۳۹)

اسی طرح مرقس ۱۴/۳۲ اور لوقا ۲۲/۴۵ میں اس دعا کا ذکر موجود ہے پھر مسیح علیہ السلام کو اپنی دعا کی قبولیت کا اتنا یقین واثق تھا کہ جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ تو آپ نے بلند آواز سے خدا تعالیٰ کو پکارا اور کہا۔ "ایلی ایلی لما سبقتنی" یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

(متی ۲۷/۴۶)

پس کیا حضرت مسیحؑ کی یہ تمام درد مندانہ دعائیں رد ہو سکتی تھیں۔ جب خدا تعالیٰ ایک گنہگار اور خطاکار انسان کی دعا اور التجا کو بھی سنتا اور شرف قبولیت بخشتا ہے۔ تو کیا ہم ایک منٹ کے لئے بھی اپنے تصور میں یہ چیز لا سکتے ہیں۔ کہ حضرت مسیحؑ جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نبی بلکہ عیسائی صاحبان کے نزدیک ابن اللہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی دعا قبول نہ ہوئی ہو گی۔ اور فریادیں رائیگاں گئی ہوں گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا کو سنا اور قبول کیا اور صلیبی موت سے نجات بخشی چنانچہ عبرانیوں ۵/۷ میں صاف لکھا ہے کہ

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور
زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے
دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت
سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب
سے اس کی سنی گئی"

یہاں ایک سوال اکثر عیسائی صاحبان کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا قبول تو ضرور ہوئی۔ مگر قبولیت کا اظہار اس رنگ میں نہیں ہوا۔ جیسا کہ جماعت احمدیہ کہتی ہے بلکہ اس رنگ میں ہوا کہ جب آپ نے کمزوری اور ضعف کا اظہار کیا۔ تو خدا تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپ کی تسکین قلب اور تقویت کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ لوقا ۲۲/۴۳ میں لکھا ہے "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا" پس عیسائی صاحبان کے نزدیک فرشتہ کا تقویت دینا دعا کی قبولیت کا اظہار تھا۔

مگر ان کا یہ خیال محض قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حالت صلیب میں ایلی ایلی لما سبقتنی کے کلمات سے

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قبولیت دعا کے اثرات سے کوئی فائدہ نہ پہنچا اور فرشتے کے نزول سے جو طمانیت قلب حاصل ہونی چاہیئے تھی نہ ہوئی۔ کیا ہم روزانہ دنیا کے اخبارات میں ایسی باتیں نہیں پڑھتے کہ فلاں خونی ڈاکو نے خوشی خوشی تختہ دار پر اپنی جان دی اور چیخ و پکار کا نام تک نہ لیا مگر یسوع ناصری جو بقول عیسائی صاحبان کامل انسان اور کامل خدا تھا۔ اور جس کے مجسم ہونے کی علت غائی ابتداء سے بلکہ ازل سے یہی تھی کہ وہ گناہگاروں کے فدیہ میں جان دے کیوں اس قسم کی تشویش قلبی کا اظہار کرتا تھا کیا ان واقعات سے یہ صاف اور سیدھا نتیجہ نہیں نکلتا کہ مسیح "مصلوب ہونے" کے لئے تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اسے معلوم ہوچکا تھا کہ مشیت الٰہی مجھے ضرور بچالے گی جیسے کہ آپ کے یہ الفاظ بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ "روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے"
(متی ۲۶/۴۱)

پس مسیحؑ کی دعا کی قبولیت اسی رنگ میں ہوئی کہ آپ کو خدا تعالےٰ نے صلیبی موت سے بچا لیا اور زندہ صلیب پر سے اتار لیا یہود کا مقصد مسیح کو صلیب پر مارنا تھا اور اس طرح انہیں معاذ اللہ لعنتی ثابت کرنا تھا۔ اسی لعنت سے نکلنے کے لئے حضرت مسیحؑ نے دعا کی تھی جو سنی گئی۔ درمیانی تقویت تو زیر بحث نہ تھی نہ ہی مسیحؑ نے اس کے لئے دعا کی تھی۔ ان کی دعا تو موت کا پیالہ ٹالنے کے لئے تھی۔ اور یہی دعا قبول ہوئی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔

دلیل چہارم:- حضرت مسیح علیہ السلام ایک نبی اور پیغمبر تھے بلکہ عیسائی صاحبان کے نزدیک ابن اللہ تھے آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کی محبت اور عشق سے سرشار ہوتا تھا۔ اور ہر آن نصرت الٰہی آپ سے ہمکنار رہتی تھی پس ایک ایسے فرد کے لئے جو مقبول بارگاہ الٰہی ہو یہ بات کس طرح باور کی جاسکتی ہے کہ وہ ایسی موت مرے جو ملعونوں اور مردودوں کی موت ہو۔ کیا خدا تعالےٰ اپنے برگزیدوں کی ایسی تذلیل اور تحقیر گوارا کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! قارئین خود غور فرمائیں کہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں صداقت اور حق پرستی کا معیار کیا رہ جائے گا؟

صلیبی موت ایک لعنتی موت سمجھی جاتی تھی۔

استثناء ۲۱/۲۲ میں لکھا ہے۔

"اگر کسی نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو اسے مار کر درخت سے ٹانگ دے۔ تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے دفن کردینا کیونکہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے تا نہ ہو کہ تو اس ملک کو ناپاک کردے جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو میراث کے طور پر دیتا ہے۔"

اسی وجہ سے یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے صلیبی موت تجویز کی تھی تاکہ وہ یہ ثابت کرسکیں کہ حضرت مسیحؑ نبی کس طرح ہوسکتے ہیں جبکہ وہ لعنتی موت مرے تھے جو ایک عام شریف آدمی کے لئے بھی تصور نہیں کی جاسکتی۔

پس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر وفات پاگئے تھے تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آپ ایک ملعون موت مرے تھے اب غور طلب امر یہ ہے۔ کہ نبوت اور لعنت ہردو صفات کیا ایک فرد میں جمع ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں! کیونکہ جب ہم ان دونوں صفات کے مفہوم پر غور کرتے ہیں تو ان بعد المشرقین نظر آتا ہے۔

اور ان میں اتنا ہی تضاد اور تناقض ہے جتنا زمین و آسمان اور لیل و نہار میں ہے ۔ کیونکہ نبی کا قلب تمام آلائشوں اور کدورتوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے وہ محبت الٰہی میں ایسا محو ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے سرد ہو چکی ہوتی ہے ۔ شیطان اس سے دور بھاگتا ہے ۔ اس کا قلب ربانی انوار الٰہی کا مہبط اور مورد ہوتا ہے لیکن برخلاف اسکے ملعون اس شخص کو کہتے ہیں ۔ جس کا دل پلید اور ناپاک ہو اور وہ خدائی قرب سے دور ہو شیطان سے اس کا تعلق ہی نہ ہو بلکہ خود مجسم شیطان ہو ۔

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ مسیح علیہ السلام میں یہ دونو صفات نبوت اور لعنت جو آپس میں بالکل متضاد ہیں ۔ کس طرح جمع ہو سکتی ہیں ۔ عیسائی صاحبان کے لئے تو یہ بات اور بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ ایک طرف وہ مسیح کو نہ صرف نبی بلکہ ابن اللہ اور اس سے بھی بڑھ کر خدا قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ملعون ، یہ کہاں کی عقلمندی اور دانائی ہے ؟

اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ استثنا کے حوالہ میں جس شخص کے ملعون ہونے کا ذکر ہے ۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہگاری کی حالت میں صلیب دیا گیا ہو مگر مسیح علیہ السلام تو معصوم عن الخطاء تھے انہوں نے نیک مقصد کے لئے جان دی وہ کس طرح ملعون ہو سکتے ہیں ۔ تو اس کا جواب آسان ترین الفاظ میں یہ ہے کہ ہم ہرگز ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ مسیح ملعون ہوئے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح خدا تعالیٰ کے پاک اور بزرگ نبی تھے ۔ آپ کی موت ایسے ہی ہوئی جیسے دیگر راستباز انبیاء کی ہوئی اور آپ یہود نامسعود کے بد ارادہ سے بچا لئے گئے تھے ۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود السلام بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ۔

"حضرت عیسیٰ کے وقت میں بد بخت یہودیوں نے یہ چاہا کہ ان کو ہلاک کریں اور نہ صرف ہلاک بلکہ ان کی پاک روح پر صلیبی موت سے لعنت کا داغ لگا دیں ۔ کیونکہ توریت میں لکھا تھا کہ جو شخص لکڑی پر یعنی صلیب پر مارا گیا ۔ وہ لعنتی ہے ۔ یعنی اس کا دل پلید اور ناپاک اور خدا کے دربار سے دور جا پڑتا ہے اور راندہ درگاہ الٰہی اور شیطان کی مانند ہو جاتا ہے ۔ اور اسی لئے شیطان کا نام لعین ہے ۔ اور یہ نہایت بد منصوبہ تھا کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت سوچا گیا تھا تا اس سے وہ نالائق قوم یہ نتیجہ نکال لے کہ یہ شخص پاک دل اور سچا نبی نہیں ہے اور جیسا کہ مفہوم لعنت کا ہے وہ خدا سے بجان و دل بیزار اور خدا اس سے بیزار ہے ۔ لیکن خدا نے قادر وقیوم نے بد بخت یہودیوں کو اس ارادہ سے ناکام اور نامراد رکھا اور اپنے پاک نبی کو نہ صرف صلیبی موت سے بچایا بلکہ اس کو ایک سو بیس برس تک زندہ رکھ کر تمام دشمن یہودیوں کو اس کے سامنے ہلاک کیا ۔ (راز حقیقت صـ)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ مسیح ناصری کو ہرگز ملعون نہیں سمجھتی ہاں یہ فتویٰ آج سے ۱۸ سو سال قبل عیسائیوں کا ایک مسلمہ بزرگ حضرت مسیح"

کے متعلق وسے چکا ہے ۔جس کا نام نامی پولوس ہے وہ گلتیوں $\frac{۳}{۱۳}$ میں لکھتا ہے ۔

"مسیح جو ہمارے لیئے لعنتی بنا اس نے
ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا
کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا
وہ لعنتی ہے"۔

پس معلوم ہوا کہ پولوس کے نزدیک مسیحؑ لعنتی موت مرا تھا مگر خدا تعالےٰ کا نبی اور برگزیدہ ایسی موت سے ہرگز [illegible] ہو سکتا - یہ درست ہے کہ حضرت مسیحؑ بے گناہ [illegible] یہود کے نزدیک تو انہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو مجرم بنا لیا تھا - یہود انہیں بذریعہ صلیب قتل کر کے ان کے مجرم ہونے پر مہر ثبت کرنا چاہتے ہیں تا صلیبی موت ان کے کاذب ہونے پر دلیل ہو۔ عیسائی لوگ ان کی اس دلیل کو درست تسلیم کرتے ہیں اور مسیح کو مصلوب اور لعنتی قرار دیتے ہیں ۔لیکن مدلول کا انکار کرتے ہیں جو منطقی اصولوں کے خلاف ہے ۔

دلیل پنجم:- پلاطوس جس کی عدالت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا مقدمہ پیش ہوا اور جو رومن ایمپائر کی طرف سے فلسطین کا چھٹا گورنر تھا ۔ اناجیل کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کی پاکدامنی اور بزرگی کا قائل [illegible] تھا اور آپ کو بے قصور تصور کرتا تھا ۔ اس کی بہت بڑی [illegible] اس کی بیوی کی خواب تھی جو اس نے حضرت مسیحؑ کے متعلق دیکھی تھی ۔چنانچہ لکھا ہے ۔

"اور جب وہ (یعنی پلاطوس) مسند پر بیٹھا
اس کی جورو نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز
سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب
میں اس کے سبب سے بہت تصدیق پائی۔ (متی $\frac{۲۷}{۱۹}$)

اس خواب کی بنا پر نیز اپنی تحقیق کی رو سے پلاطوس حضرت مسیحؑ کو بری اور بے قصور مان چکا تھا ۔ چنانچہ $\frac{19}{۴۸}$ میں آتا ہے ۔

"اور پلاطوس نے کہا کہ حق کیا ہے ؟ یہ کہہ
کے پھر یہودیوں کے پاس باہر گیا ۔ اور انہیں
کہا میں اس کا کچھ قصور نہیں پاتا"

نیز لوقا $\frac{۲۳}{۱۴}$ میں آتا ہے ۔

"اور پلاطوس نے سردار کاہنوں اور سرداروں
اور لوگوں کو پاس بلا کے ان سے کہا کہ تم اس
شخص کو میرے پاس یہ کہتے لائے کہ یہ
لوگوں کو بہکاتا ہے ۔ دیکھو تمہارے آگے
تحقیق کر کے پر ان قصوروں میں سے جن کو
تم اس پر ٹھہراتے ہو میں نے اس شخص
میں کچھ نہ پایا اور نہ ہیرودیس نے کیونکہ
میں نے تمہیں اس کے پاس بھیجا اور دیکھو
اس کا کوئی ایسا کام نہ ٹھہرا جو قتل کے لائق
ہے اس لئے اس کو تنبیہہ کر کے چھوڑ دوں گا"

پھر اناجیل سے اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ پلاطوس حضرت مسیحؑ کو بے قصور گردان کر چھوڑنا چاہتا تھا چنانچہ لکھا ہے ۔

"حاکم کا دستور تھا کہ عید کو لوگوں کی خاطر
ایک بندھوا جسے وہ چاہتے چھوڑ دیتا تھا
اس وقت ان کا برابا س نامی ایک مشہور بندھوا
تھا ۔ سو جب وہ اکٹھے ہوئے پلاطوس نے ان
سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے
چھوڑ دوں براباس یا یسوع کو جو مسیح
کہلاتا ہے ۔کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ انہوں نے

اسے زبردستی حوالہ کیا" (متی ۲۷/۱۵)

پھر مرقس ۱۵/۹ میں آتا ہے۔

"پلاطوس نے انہیں جواب دیا اور کہا
کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے یہودیوں
کے بادشاہ کو چھوڑ دوں کیونکہ وہ جانتا تھا
کہ سردار کاہنوں نے حسد سے اس کو حوالہ
کیا تھا"

اسی طرح لوقا ۲۳/۱۴ میں لکھا ہے۔

"اور دیکھو اس کا کوئی ایسا کام نہ ٹھہرا
جو قتل کے لائق ہے۔ اس لئے اسس کو
تنبیہہ کر کے چھوڑ دوں گا"

مگر پلاطوس بدبخت یہود کے اصرار کی وجہ سے اپنی اس نیک خواہش کو بروئے کار نہ لا سکا تو مسیح علیہ السلام کو یہود کے سپرد کرتے وقت اس نے پانی منگوایا۔ اور از روئے اعتقاد مذہبی اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اس کے خون سے بری ہوں (متی ۲۷/۲۴)

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کیا یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ حاکم وقت مسیح علیہ السلام کا طرفدار تھا اور آپ کو راستباز سمجھتا تھا؟ اور آپ کی جان بچانے کے درپے تھا؟ اور ان حوالجات سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پلاطوس مسیح علیہ السلام کی جان بچانے کے لئے بعض تدابیر عمل میں لایا ہوگا؟ چنانچہ ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی پلاطوس نے بعض ایسی تدابیر کیں جو مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانے والی تھیں۔

اول:۔ پلاطوس نے صلیب کے لئے وہ دن مقرر کیا جو یہودیوں کی عید فسح سے قبل کا دن تھا کیونکہ ان کو اس روز بہت کچھ رسومات مذہبی ادا کرنی ہوتی تھیں۔ اور ان کو سخت مصروفیت رہتی تھی چنانچہ یوحنا ۱۹/۱۳ میں آتا ہے۔

"پلاطوس یہ بات سن کر یسوع کو باہر لایا اور
اس مقام میں جو چبوترہ اور عبرانی میں گبتا
کہلاتا ہے مسند پر بیٹھا اور فسح کی تیاری کا
دن تھا"

دوم:۔ صلیب کے لئے جمعہ کا روز مقرر کیا۔ اور شام سے سبت شروع ہو گئی تھی جس میں اور کوئی کام بموجب شریعت موسوی نہیں کر سکتے تھے۔

مرقس ۱۵/۴۲ میں آتا ہے

"اور جب شام ہوئی اس لئے کہ تیاری کا دن
تھا جو سبت سے پہلے ہوتا ہے"

سوم:۔ جو افسر یعنی صوبہ دار مقرر کیا وہ درپردہ مسیح کا معتقد تھا۔ جیسا کہ اس کی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے۔

چہارم:۔ باوجود اس امر کے کہ مسیح کا عرصہ صلیب موت کے لئے کافی نہیں تھا نیز [illegible] جسم سے چھید مارنے سے خون اور پانی بہ نکلتا ہے (یوحنا ۱۹/۳۴) پھر خود تعجب بھی کرتا ہے کہ کیا اتنی جلدی مرگیا۔ (مرقس ۱۵/۴۴) مسیح علیہ السلام کی ہڈیاں نہیں توڑتا جب کہ آپ کے ساتھ مصلوب ہونے والے دو چوروں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں (یوحنا ۱۹/۳۲)

پنجم:۔ باوجود اس امر کے کہ ابھی مسیح کی موت کا یقین نہیں آپ کی لاش ایسے شخص کو دی جاتی ہے۔ جو مسیح کا شاگرد تھا اور مسیح پر ایمان لا چکا تھا یعنی یوسف نامی آرمیتا کا رہنے والا (متی ۲۷/۵۷)

پس ان مذکورہ بالا تدابیر کی بنا پر ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اتار لئے گئے تھے یہ تدابیر کوئی سرسری اور معمولی تدابیر نہیں بلکہ یا در کرنے کے لئے قوی اور یقینی دلائل ہیں کہ حضرت مسیح ؑ صلیبی موت سے بچا لئے گئے تھے۔ حاکم کی تدبیر تو الگ رہی خدا تعالیٰ نے بھی عین موقع پر نصرت کا نمونہ دکھایا کہ صلیب کے وقت زلزلہ اور آندھی بھیج دی جس سے تمام لوگ خوف زدہ ہو گئے اور مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے جس سے مسیح کے شاگردوں کو موقع مل گیا کہ جلدی سے لاش کو اتار سکیں مرقس ۱۵/۳۴ و متی ۲۷/۵۱ پھر اخیر میں صوبہ دار اور پہرہ داروں کا خوفناک واقعات دیکھ کر ایمان لانا متی ۲۷/۵۴ پھر لاش کو بلا تحقیق و معائنہ وغیرہ ایک مخلص مرید کے سپرد کر دینا یہ سب ایسے راز ہیں جن پر معمولی سمجھ کا انسان بھی غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ حضرت مسیح ؑ کے بچاؤ کے لئے عمدہ تدابیر تھیں۔

ان تمام دلائل پر غور کرنے سے ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر مرنے کا عقیدہ عقل و نقل کی رو سے باطل ہے اور قرآن مجید کا اعلان ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم ایک ابدی صداقت کا اعلان ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام واقعہ میں نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے ہاں ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجہ میں مسیح کو مانند مصلوب و مقتول سمجھ لیا گیا۔ اب اس بیسویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مسیح ؑ کی صلیبی موت کے غلط عقیدہ کی تردید کر دی کہ حضرت مسیح کی عزت، حرمت اور شان کو پھر قائم کر دیا ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مسیح ناصری کی قبر سرینگر (کشمیر) کے اثبات سے حضرت مسیح کے صلیب سے بچ جانے پر مہر کر دی ہے۔ اس طرح سے موجود عیسائیت کا عقیدہ کفارہ باطل ہو جاتا ہے اور صلیبی موت کا عقیدہ بھی پاش پاش ہو جاتا ہے یہی کسر صلیب ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے مقدر تھی۔ جس سے اسلام کی فتح اور عیسائیت کی شکست روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

(بقیہ "ہفتہ تحریک وصیت" ص۳۳)

خواہ وہ یکمشت ادا کریں اور خواہ مجلس کارپرداز کی منظوری لے کر مناسب اور معقول اقساط کے ساتھ۔

جماعتوں کے امراء اور پریذیڈنٹ صاحبان اور لجنات اماء اللہ کی صدر صاحبات سے یہ بھی گزارش ہے کہ اس تحریک کے سلسلہ میں ان کی مساعی کے جو بھی نتائج برآمد ہوں ان کی اطلاع ۲۸ مارچ کے معاً بعد بہت جلد دفتر وصیت کو دے کر ممنون فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

سیکرٹری مجلس کارپرداز مقبرہ بہشتی
ربوہ

خطوط پر اعتراض

"طلوعِ اسلام" کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی عقیدت

(از جناب مولوی عبد الکریم صاحب پشاور)

ادارہ "طلوعِ اسلام" والوں نے اپنے رسالہ ماہ جنوری میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے دو خطوط کی بنا پر (جو مجلہ "ثقافت" لاہور نے شائع کئے ہیں) بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور ان کے جانشین اول کے خلاف جس الزام تراشی اور طعن و تشنیع کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کی کم ظرفی کا آئینہ دار ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خط میں (جو شاہ سلیمان صاحب پھلواری کے نام پر ہے) اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"میرا نام نور الدین ہے اور اس وقت مرزا قادیانی کے مریدوں کا مرجع ہوں"

اور دوسرے خط میں (جو ان کے فرزند اکبر شاہ حسن میاں صاحب کے نام ہے) لکھا ہے کہ

"نیز بادب عرض ہے کہ حضرت! فتوحات مکیہ کے بعض مقامات مجھ خاکسار کے فہم سے بالاتر ہیں۔ کیا اس کتاب کے ایسے مقامات پر کسی مقدس و مطہر انسان نے کچھ یادداشتیں لکھی ہیں؟"

آپ کے پہلے خط کے اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "طلوعِ اسلام" نے لکھا ہے کہ

"اس سے دو باتیں واضح ہیں یا تو حکیم صاحب مرزا صاحب کو نبی۔ مسیح۔ مجدد وغیرہ کچھ نہیں مانتے تھے۔ انہیں صرف مرزا قادیانی سمجھتے تھے۔ اور یا ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے حلقہ میں مرزا صاحب کو سب کچھ مانتے تھے۔ لیکن جب باہر والوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا تو اپنے عقیدہ کو چھپا کر مرزا صاحب کا اس طرح اہانت آمیز طریق سے ذکر کرتے تھے"

پھر ایڈیٹر صاحب نے دوسرے خط کی نسبت لکھا ہے کہ:- "اس "خانۂ نبوت و خلافت" کے بعد آفتاب ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ فتوحات مکیہ کے بعض مقامات کو نہ نبی سمجھ سکا اور نہ خلیفہ سمجھ سکے۔ دعویٰ ہے خدا سے براہ راست وحی پانے کا اور قابلیت کا یہ عالم ہے"

طلوعِ اسلام والوں کی جہالت مشہور ہے کہ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کی قابلیت و علم کی پردہ دری کرنے کے لئے ان کی قلم سے ہی اس قسم

کے الفاظ نکلوا دیئے۔ جن سے ان کی سراسر جہالت ٹپکتی ہے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ "فتوحات مکیہ ابن عربی کی کتاب کا نام ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کو "حضرت فتوحات مکیہ" لکھتے ہیں" حالانکہ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے مذکورہ بالا اقتباس میں لفظ "حضرت" کتاب کی نسبت استعمال نہیں فرمایا تھا بلکہ شاہ حسن میاں صاحب کی نسبت استعمال کیا ہے۔ معمولی لکھا پڑھا انسان بھی اس قسم کی جہالت کا مظاہرہ نہیں کرتا جس قسم کی جہالت کا مظاہرہ "طلوع اسلام" والوں نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنے قارئین کے ذہن نشین کرنا چاہا کہ گویا حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے کتاب کو "حضرت" کا لقب دیا ہے۔ مگر یہ بات خود ان کی ذلت کا موجب بن گئی ہے۔

حضرت خلیفہ اول رضؓ کا مخصوص محبت بھرا طریق

دوسرا سوال کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا ظاہر و باطن ایک نہ تھا۔ یہ بھی ایک بہتان عظیم ہے۔ آپ کے دل اور زبان میں قطعاً کوئی تضاد نہ تھا۔ جس شخص نے آپ کی کتابیں اور خطبات و تقاریر اور ملفوظات کا معمولی مطالعہ بھی کیا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ آپ کے دل میں کس قدر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اور دعاوی سے محبت اور عقیدت کے پرخلوص جذبات موجزن تھے۔ آپ کی خاطر تمام دنیاوی مفاد پر لات مار کر قادیان میں آپ کے دروازہ پر دھونی رما کر بیٹھ گئے تھے۔ اتنی عظیم الشان قربانی کرنے کے بعد پھر انہیں کس کا خوف تھا۔ کہ وہ اپنے عقائد کو چھپاتے بدنیت انسان دوسروں کو اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت صرف بیگانوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ اپنے حلقہ والوں کے سامنے بھی بیسیوں مرتبہ "ہمارے مرزا" کے الفاظ انتہائی محبت کے انداز اور دلربا آواز میں استعمال کئے۔ جماعت کے کسی فرد نے نہ ان کی زندگی میں اور نہ بعد میں آج تک یہ امر محسوس کیا کہ گویا معاذ اللہ مرزا صاحب کا (درجہ) اس طرح اہانت آمیز طریق سے ذکر کرتے تھے" کہتے ہیں ماں نالو ہیجلی پھاپھے کٹنی ہوتی ہے۔ "لفظ مرزا" خود ایک تعظیمی کلمہ ہے۔ صدر جمہوریہ پاکستان کا نام جو ان کے والدین نے "سکندر مرزا" رکھا تھا۔ تو کیا ان کی غرض اس سے ان کی توہین تھی۔ لفظ مرزا یعنے شاہزادہ ہے۔ اس قسم کے تعظیمی کلمہ کو پر محبت انداز میں استعمال کرنے کو توہین آمیز قرار دینا شرارت اور سفاہت کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے حضرت خلیفہ اول رضؓ کی عقیدت آپ کی کتاب "نورالدین" سے ظاہر ہے۔ جو آپ نے فروری سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک آریہ مرتد دھرمپال کی کتاب کے جواب میں تحریر فرمائی تھی۔ دھرم پال مرتد کی کتاب کا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی "ترک اسلام" نامی کتاب کے ذریعہ شائع کیا تھا۔ دھرم پال کے اعتراض ۱۵ کا جواب دیتے ہوئے مولوی ثناء اللہ صاحب نے بطور طنز لکھا تھا کہ:

> "چاہیئے کہ آجکل کسی اہل اسلام کو جو ملہم اور
> پیغمبر ہو کر خدا کے ساتھ عیسےٰ یا موسےٰ کی طرح
> باتیں کرنے کا دم بھرتا ہے۔ ایک لمبی چوڑی
> بھٹی کو آگ سے بھر کر بیچ میں پھینک دیا جائے
> اگر آگ گلزار ہو جائے تو سمجھیں کہ قرآنی
> معجزے سب سچ ہیں"

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے دھرمپال مرتد کو اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ

> "ہمارا مہدی اور عیسےٰ ابن مریم اس وقت موجود
> ہے اور اس کو بھی وحی .... نظلوا
> الیک معطوا و قلنا یا نار کونی بردا و
> سلاما علی ابراھیم ..... کی ہو چکی ہے

"...... ابراہیم خود آگ میں نہیں کودے تھے اور نہ مومنوں، مخلصوں، راستبازوں اور اللہ کے رسولوں کا یہ طریق ہوتا ہے۔ کہ اللہ کو آزمائیں ...... اب خدا تعالیٰ کی اسی سنت کے موافق تم اور سارا جہان اور اس کی ساری سفلی طاقتیں اور شوکتیں اور عداوتیں ہمارے امام مہدی اور مسیح کو آگ میں ڈال کر دیکھ لیں یقیناً خدا تعالیٰ اپنے زندہ اور تازہ وعدہ کے موافق اس مہدی کو اس طرح محفوظ رکھیگا۔ جیسے ابراہیم اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی محفوظ رکھا تھا۔"

ایسے مخلص کی نسبت ادارہ "طلوع اسلام" والوں کا یہ افتراء کہ وہ معاذ اللہ "جب باہر والوں سے گفتگو کرتے تھے" تو اپنے عقیدہ کو چھپا کر مرزا صاحب کا اس طرح اہانت آمیز طریق پر ذکر کرتے تھے "کیا ظلم عظیم نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ مغربیت زدہ طبقہ صرف منافقانہ طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ ان کو اسلام کے حقیقی جان نثاروں سے اس قدر بغض و عناد ہے۔ کہ جسکی کوئی انتہا نہیں۔ علمی دلیل ان کے پاس ہے نہیں البتہ اہل باطل کا جو وطیرہ قدیم سے چلا آرہا ہے اس پر عمل پیرا ہوکر حق کو کچلنا چاہتے ہیں۔ فرمایا یجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا بہ الحق واتخذوا اٰیاتی وما انذروا ھزوا (۱۸/۵۷)

الغرض! یہ بات کذب صریح ہے کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ "مرزا صاحب کو نبی مسیح مجدد وغیرہ کچھ نہ مانتے تھے"۔ اگر ادارۂ طلوع اسلام والوں میں ایک ذرہ بھی تخم دیانت و امانت ہے تو وہ اپنے کسی ممبر کو میرے پاس (یہاں پشاور سے ہی) بھیج دیں۔ میں ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی کی نسبت واضح عبارتیں نہ صرف دکھا دونگا بلکہ نوٹ کرا دونگا چاہیئے کہ ادارۂ "طلوع اسلام" والے ان کو پڑھ کر اس الزام کی تردید کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی قابلیت کے خلاف جو ریمارک ادارہ والوں نے پاس کئے ہیں۔ وہ بھی ان کی جہالت بلکہ حماقت و نادانی کا بیّن ثبوت ہیں۔ کسی صاحب وحی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہر قسم کے علوم پر حاوی ہو۔ حضرت موسٰے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرتے تھے صاحب کتاب اولوالعزم رسول تھے۔ مگر انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ کے سامنے سیکھنے کے لئے جانا پڑا اور پھر سوال کو دبا نہ سکنے کے باعث سوائے ندامت اٹھانے کے کچھ بن نہ پڑا۔ حضرت یوسف علیہ السلام خود بخود اپنے مکاشفہ کو سمجھ نہ سکے۔ جب اپنے باپ کے پاس انہوں نے اپنے مکاشفہ کا ذکر کیا تو انہوں نے انہیں ممانعت کی۔ کہ یہ مکاشفہ اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تمہارے خلاف خطرناک منصوبے تیار کریں گے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے قرآنی علوم کے اجارہ داروں کا وہ تبصرہ کیا جہالت کا مظاہرہ نہیں؟

پرویز صاحب کی جواب سے عاجزی

۱۹۵۳ء و ۱۹۵۴ء میں مخالفت کی رو دیکھ کر انہوں نے بھی احمدیت کے خلاف لکھنا شروع کیا تھا۔ اور بار بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم القرآن کی تضحیک کی سعی ناکام کی۔ میں نے چند سوالات جناب پرویز کی خدمت میں ادارہ "طلوع اسلام" والوں کی معرفت ارسال کئے تھے۔ انہوں نے جواباً لکھا کہ:-

"آپ کچھ مہینوں کے لئے کراچی آکر "محترم"

پرویز صاحب سے استفادہ کرتے۔ قرآن کے
متعلق شکوک کو وہی حل کر سکتے ہیں۔ لیکن
آپ کے لئے شاید لمبے عرصہ کے لئے کراچی آنا
ممکن نہ ہو۔ اس لئے ہمیں افسوس ہے کہ
اس بارہ میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے"

جواباً میں نے پھر لکھا کہ "محترم پرویز صاحب سلیم کے خطوط کا تو جواب دیتے ہیں مگر کیا کریم کے شکوک کے ازالہ کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں؟ مگر اس کا اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا حالانکہ تین سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جو لوگ میرے معمولی سوالات کا اب تک جواب نہیں دے سکے۔ بھلا وہ کس طرح دوسروں کی قابلیت کا منہ چڑاتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں، صرف کذب و افتراء اور تمسخر و استہزاء سے جہال کو ہمارے خلاف مشتعل کرنا، اور ان کو غلطیوں میں مبتلا کرنا ان کے مدنظر ہے۔ تاکہ لوگ حق کو قبول نہ کریں۔ مگر کیا حق کبھی پہلے ان باطل حربوں سے دب گیا کہ اب وہ دب جائیگا۔ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہمیشہ غالب ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی انشاء اللہ تعالیٰ غالب ہوگا۔ اور الباطل کا سرنگوں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وجعل کلمة الذین کفروا السفلیٰ ط وکلمة اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم (۴/۹)

باطل پرستوں کے یہ سب حربے انشاء اللہ ناکام ہوں گے۔ جن کی بنیاد محض کذب اور الزام تراشی پر ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ضروری اعلان

الفرقان کے جن خریدار اصحاب کا چندہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں ختم ہو چکا ہے یا جن کے نام اس سے بھی قبل کا بقایا چل رہا ہے۔ ان کی خدمت میں دفتر کی طرف سے بذریعہ خطوط فرداً فرداً یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ وہ از راہِ نوازش سالِ رواں کا چندہ اور بقایا رقوم بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ امید ہے کہ احباب ادائیگی کی طرف فوری توجہ فرما کر پورے پورے تعاون کا ثبوت دیں گے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

(مینیجر ماہنامہ "الفرقان" ربوہ)

عیسائی صاحبان کے اعتراضات کے جوابات

(مکرم جناب گیانی واحد حسین صاحب ۔ ڈھوالی)

پادری کے ایل ۔ ناصر صاحب سیدنا حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے انگریزی الہامات کے متعلق لکھتے ہیں:۔

" مرزا صاحب مرحوم نے اپنی کتاب چشمہ معرفت صفحہ ۲۰۹ پر تحریر کیا تھا کہ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔" (رسالہ مسیحی خادم ماہ ستمبر ۵۷ء ص ۱)

جواب چشمہ معرفت کی مندرجہ بالا عبارت میں "ملہم" کا لفظ نہیں بلکہ عام بنی نوع انسان مراد ہیں ۔ اگر پادری صاحب کتاب کی اصل عبارت اور سیاق و سباق کا خود مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارہ فرماتے تو یہ اعتراض نہ کرتے ۔ اس جگہ حضرت مرزا صاحب آریوں کا ذکر فرما رہے ہیں ۔ آریہ کہتے ہیں کہ الہامی کتاب کسی انسانی زبان میں نازل نہیں ہونی چاہیئے ۔ ورنہ پرمیشور پر بے انصافی اور طرفداری کا الزام عائد ہوگا یہی وجہ ہے کہ وید سنسکرت زبان میں نازل ہوئے جو انسانوں میں کہیں بھی نہ بولی جاتی تھی ۔ حضرت مرزا صاحب آریوں کو جواب دیتے ہیں کہ یہ لغو بات ہے ۔ کہ انسانوں کی زبان تو کوئی اور ہو اور الہام ایسی زبان میں ہو جو انسانوں کی زبان نہ ہو یہ تکلیف "مالا یطاق" ہے کیونکہ ملہم کسی دوسرے سے بھی تو سمجھ نہیں سکتا ۔ جب وہ انسانی زبان ہی نہیں تو کوئی دوسرا انسان سمجھا کیسے سکتا ہے لیکن اگر کسی ایسی زبان میں الہام ہو جو انسانی زبان ہو تو تکلیف "مالا یطاق" نہیں ۔ کیونکہ اگر ملہم خود اس زبان کو نہیں جانتا تو دوسروں سے معلوم کر سکتا ہے چنانچہ آپ اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہام ہوتے ہیں (ص ۲۱۰) اس میں تو انسانی اور غیر انسانی زبانوں کی بحث ہے ۔ انگریزی زبان سنسکرت کی طرح غیر انسانی زبان نہیں ہے ۔ پھر ملہم کو غیر زبان میں بھی الہام ہونا اُس کی صداقت پر ایک دلیل ہے جس زبان کو سرے سے جانتا ہی نہیں اس میں الہامی عبارت وہ از خود کیسے بنا سکتا ہے ۔

آخر میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ آیا یہ الہامی عبارت صحیح انگریزی میں ہے یا نہیں ۔ ہر چند کہ پادری صاحب نے کسی غلطی کی نشاندہی نہیں کی ہے تاہم اس بارہ میں عرض ہے ۔ کہ عبارتِ الہام میں کسی لفظ کا چھوٹ جانا معمولی بات ہے ۔ جو سہو کتابت ہے ۔ خود حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں :۔

"فقرات کی تقدیم تاخیر کی صحت بھی معلوم نہیں اور بعض الہامات میں فقرات کا تقدم تاخر بھی ہو جاتا ہے اس کو غور سے دیکھ لینا

چاہیئے" (ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۴۸)

پھر فرماتے ہیں :-

"چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے اور الہام الٰہی میں ایک سرعت ہوتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں کچھ فرق ہو۔" (حاشیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۰۴)

پس حضرت مرزا صاحب نے خود ہی اعتراضات کا مکمل اور مسکت جواب فرما دیا۔

انجیل کا الہام آیئے اب ذرا دیکھئے کہ اس کے بالمقابل خود اناجیل اربعہ کا کیا حال ہے۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں :

"اناجیل کے یونانی فقروں کی ساخت اور عبارت کی ترکیب بھدی ہے ......

اناجیل اربعہ کی عبارت بھدی۔ بے ڈول اور بے ڈھنگی ہے۔" (اناجیل اربعہ کی زبان صفحہ ۲۶)

پادری ڈاکٹر اے۔ جے۔ یو۔ سٹینٹن صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ طرز انشاء کے لحاظ سے یہ تصنیفات (اناجیل) ایک معمولی انسانی طرز پر قلمبند کی گئی ہیں۔ اور انسانی نقائص اور غلطیوں سے مبرا نہیں ہیں۔ جو کسی واقعہ کی تفصیل میں عموماً پیدا ہو جاتی ہیں" (دیباچہ تفسیر متی صفحہ ۲۹)

پھر لکھتے ہیں :-

"درحالیکہ اس انشائی طرز میں بہت کچھ نقائص بھی پائے جاتے ہیں۔ اس میں بعض باتوں کے متعلق کہیں کہیں کچھ اختلافات اور غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔" (دیباچہ تفسیر متی)

نیز اناجیل میں آسمان سے آواز آنے کا ذکر مذکور ہے۔ کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی ۳/۱۷ ۵/۱۷ وغیرہ لیکن اناجیل یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ کلام یا آسمانی آواز کس زبان میں تھی۔ حضرت مرزا صاحب کے بعض الہامات تو انگریزی زبان میں ہیں۔ لیکن انجیلی الہام کا کوئی علم نہیں کہ وہ کس زبان میں تھا۔ بلکہ آج تک ملہم کی زبان تک کا صحیح پتہ نہیں کہ کون سی تھی۔ پادری فانڈر سریانی بتاتا ہے (میزان الحق صفحہ ۱۱) اور پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے آرامی (اناجیل اربعہ کی زبان صفحہ ۹)[1]

الہام کی اصل زبان نامعلوم ہونے کی وجہ سے سارے کا سارا الہام ہی غلط اور باطل ٹھہرتا ہے۔ نیز آسمان سے آواز کا آنا بھی انجیلی الہام کو مشکوک ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جھوٹے خدا بھی آسمان میں رہتے ہیں۔

۱۔ کرنتھیوں ۸/۵۔ شرارت کی روحیں افلاکی مکانوں میں رہتی ہیں۔ افسیوں ۶/۱۲ پس ہو سکتا ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ آسمانی آواز شیطان اور جھوٹے خدا کی طرف سے ہی ہو۔ حضرت مرزا صاحب کے انگریزی الہامات میں تو پادری صاحب کو غلطیاں نظر آتی ہیں جو محض ان کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ لیکن انجیلی الہامات جو سرتاپا جعلی معلوم ہوتا ہے وہ آپ کو نظر نہیں آتا۔

رسالہ مسیحی خادم ماہ دسمبر میں مسٹر اللہ دکھاجان صاحب لائلپور نے اپنے مسیحی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے پادری کے۔ ایل۔ ناصر صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ آپ اُمت مرزا کو دق نہ کریں مرزا صاحب کا حافظہ بہت ہی کمزور تھا اکثر بھول جایا کرتے تھے اور دائیں پاؤں کا جوتا بائیں پاؤں میں پہن لیتے تھے وغیرہ وغیرہ

[1] وہ آرامی اور کسدی آمیزش سے پیدا شدہ زبان بولتے تھے (تواریخ بائبل صفحہ ۸۰)

سو اس کے جواب میں مودبانہ گذارش ہے کہ نبیوں کا مذاق اڑانا اور ان کو بُرا بھلا کہنا مخالفین کی سنت قدیم ہے اور یہ نبیوں کی صداقت کا ایک نشان ہے چنانچہ بائیبل میں لکھا ہے :-

"لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور ان کی باتوں کو ناچیز جانا اور ان کے نبیوں سے بدسلوکی کی" (۲- تواریخ ۳۶/۱۶)

حضرت مسیح اپنے شاگردوں کو فرما رہے ہیں :-

"افسوس تم پر جب سب لوگ تمہیں بھلا کہیں کیونکہ اُن کے باپ دادا جھوٹے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (لوقا ۶/۲۶)

معلوم ہو گیا کہ سب لوگ سچے نبی کو بھلا نہیں کہتے بلکہ قدیم سنت یہی ہے کہ سچے نبیوں کو ہی بُرا بھلا کہا جاتا ہے پس مخالفین احمدیت کا یہ رویہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر ایک زبردست دلیل ہے۔

مخالفین کے حوالے لائلپوری صاحب نے احمدیت کے مخالف کا ایک شعر نقل کر کے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر ٹھٹھا اُڑایا ہے یہ سب کچھ اسی طرح ہے جیسے مسیح کے بارہ میں یہودی مخالفین کے اقوال پیش کئے جائیں۔ وہ کہتے تھے کہ اس میں بدروح بولتی ہے اور یہ سامری ہے (یوحنا ۸/۴۸) یہ کھاؤ اور شرابی آدمی ہے (متی ۱۱/۱۹) یہ بدکار ہے (یوحنا ۹/۲۴) یہ نیک نہیں (متی ۱۹/۱۷) یہ دغاباز ہے (متی ۲۷/۶۳) یہ دیوانہ ہے (یوحنا ۱۰/۲۰) یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (یوحنا ۷/۱۲) پس اگر مخالف احمدیت کا شعر حجت ہے تو یہودیوں کے اقوال بھی حجت ہونے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک بلکہ ہر عقلمند کے نزدیک مخالف کا قول حجت نہیں اس لئے ہم لوگ دشمن احمدیت کے بیان کو غلط سمجھتے ہوئے رد کرتے ہیں لیکن حضرت مسیح نے یہودیوں کے بیانات کو مستند اور سچا قرار دیا ہے بلکہ اسے ماننے کا حکم دیا ہے (متی ۲۳/۲) پس بقول انجیل یہودیوں کے بیانات کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

بھول جانا اب رہا حضرت مرزا صاحب کا بھول جانا سو یہ امر بھی شان نبوت کے منافی نہیں کیونکہ بھول جانا فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ جوتے کی تبدیلی وغیرہ یہ طبیعت کی سادگی اور محویت کی وجہ سے تھی۔ اللہ والے لوگ دنیا کی باتوں پہ زیادہ دھیان نہیں دیتے اور وہ ایسی باتوں سے بعض اوقات بے نیاز رہتے ہیں۔ اگر پادری صاحب بائیبل کا بغور مطالعہ کرتے تو انہیں بائیبل کے خدا اور اس کے بیٹے یسوع مسیح اور دوسرے انجیلی نبیوں کے حافظہ کے علاوہ انجیلی نویسوں اور مقدس پولوس کے حافظہ کا خوب پتہ چل جاتا۔ چنانچہ چند ایک حوالجات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱- خدا کہتا ہے کہ میرا نام یہوواہ ابراہیم اسحاق یعقوب پر ظاہر نہ تھا۔ (خروج ۶/۳) حالانکہ وہ یہوواہ نام سے ابراہیم پر ظاہر تھا (پیدائش ۲۲/۱۴) بلکہ اس سے پہلے بھی لوگ یہوواہ کا نام لیتے تھے (پیدائش ۴/۲۶) قابل غور بات یہ ہے کہ موسیٰ کو تو خدا یہ کہتا ہے کہ میرے نام یہوواہ کا علم ابراہیم کو نہیں حالانکہ ابراہیم کو علم تھا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے لوگوں کو علم تھا۔ نعوذ باللہ خدا بھول گیا تھا۔

۲- میں خداوند ہوں اپنے سخن کو جو میرے منہ سے نکل گیا ہے نہ بدلونگا (زبور ۸۹/۳۴) میں خداوند ہوں میں بدلتا نہیں (ملاکی ۳/۶) لیکن وہ بھول گیا اور اس نے اپنا سخن بدل دیا۔ اس نے یسعیاہ نبی کی معرفت حزقیاہ کو

کہا تو اپنے گھر کی بابت وصیت کر اس لئے کہ تو مر جائے گا اور نہ جئے گا حزقیاہ رویا تب اس نے کہا میں نے تیری سنی تیری عمر پندرہ برس بڑھا دونگا (۲ سلاطین ۲۰/۱-۶ یسعیاہ ۳۸/۱-۵) یعنی خدا نے اپنا سخن بدل دیا اور پہلی بات نہ بدلنے والی بھول گیا۔

یسوع کا بھول جانا

۱۔ جناب یسوع فرماتے ہیں " راستباز ہابیل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس قربانگاہ کے درمیان قتل کیا (متی ۲۳/۳۵) قربانگاہ میں قتل ہونے والا زکریاہ برکیاہ کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ یہویدع کا بیٹا تھا (۲۔ تواریخ ۲۴/۲۰) اس واضح تضاد کو دور کرنا مسیحی دنیا کے ذمہ ہے یا پھر وہ اقرار کریں۔ کہ یہ ہمارے خداوند یسوع مسیح سے بھول ہوگئی ہے یا یہ غلط بیانی ہے دونوں میں سے ایک بات کو ماننا ہوگا۔

۲۔ لوقا ۱۳/۳۳ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو۔ میرے مسیحی دوستو! یہ کس قدر بھول اور نسیان یا حافظہ کی کمزوری ہے۔ حضرت نوح۔ حضرت ایوب حضرت حزقیل۔ حضرت یرمیاہ۔ حضرت دانی ایل۔ حضرت عزرا کا یروشلم میں ہلاک ہونا ثابت نہیں۔ حضرت موسیٰ موآب کی سرزمین میں فوت ہوئے (استثنا ۳۴/۵) حضرت ہارون کوہ ہور پر فوت ہوئے (گنتی ۲۰/۲۵ ۳۳/۳۹) پولوس پطرس اور تھوما یروشلم سے باہر ہلاک ہوئے۔

پس جناب یسوع کا یہ کہنا کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک نہیں ہوتا محض نسیان ہے۔

۳۔ مرقس ۱۱/۱۲-۱۴ مسیح کو بھوک لگی دور سے انجیر کے درخت کو دیکھ کر وہاں گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا۔ تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے۔ مسیح کے لعنت کرنے پر وہ درخت سوکھ گیا (مرقس ۱۱/۲۱) مسیحی دوستو! خدارا غور کرو اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی پٹی اتار دو۔ حضرت یسوع انجیر کے درخت کی طرف پھل حاصل کرنے کے لئے گئے حالانکہ پھل کا موسم نہ تھا یہ ان کی غلطی اور بھول ہے یا نہیں۔ اگر پھل کا موسم نہیں تھا تو پھل تلاش کیوں کیا۔ اور پھل نہ ہونے میں بچارے درخت کا کیا قصور تھا اس بے قصور پر بلا وجہ کیوں لعنت کی گئی۔ بے موسم درخت سے پھل حاصل کرنے جانا ہی بھول تھی اور حافظہ کی سخت کمزوری۔ یہ یاد ہی نہیں رہا کہ اس وقت پھل کا موسم ہے یا نہیں۔

۴۔ یوحنا ۱۰/۳۴ مسیح فرماتے ہیں "کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے کہا تم خدا ہو؟ حاشیہ میں زبور ۸۲/۶ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کیا زبور کی کتاب شریعت کی کتاب ہے شریعت وہ ہے جو موسیٰ نے دی کہ یعقوب کے گھرانے کی میراث ہو (استثنا ۳۳/۴) کیا یہ یسوع کے حافظہ کی کمزوری اور نسیان نہیں۔

۵۔ یوحنا ۱۵/۲۵ پھر مسیح فرماتے ہیں لیکن یہ اس لئے ہوا کہ وہ قول پورا ہو جو ان کی شریعت میں لکھا ہے کہ انہوں نے مجھ سے مفت عداوت کی۔ یہ قول شریعت کی کس کتاب میں ہے کیا یہ غلطی اور نسیان یا حافظہ کی انتہائی کمزوری تو نہیں۔

۶۔ یوحنا ۵/۳۱ حضرت یسوع فرماتے ہیں " اگر میں اپنی گواہی خود دوں تو میری گواہی سچی نہیں"۔ یوحنا ۸/۱۳ فریسیوں نے اس سے کہا تو تو اپنی گواہی آپ

دنیا ہے تیری گواہی سچی نہیں۔ یسوع نے جواب میں کہا اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے۔ اب یا تو حضرت یسوع پہلی بات بھول گئے تھے یا غلط بیانی ہے۔

۷۔ متی ۲۶/۵۲ یسوع نے کہا کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ اس جگہ بھی جناب یسوع بھول گئے۔ یوحنا تلوار سے قتل کیا گیا متی ۱۴/۱۰ لیکن اس نے کسی پر تلوار نہ کھینچی تھی شمعون نے جس پر روح القدس تھی حضرت مریم صدیقہ سے کہا "بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھیدی جائیگی لوقا ۲/۳۵ گویا پیشگوئی جھوٹی نکلی لیکن مسیحی دوستو! بتاؤ کہ حضرت مریم صدیقہ نے کس پر تلوار چلائی تھی۔ حضرت یسوع اپنے بارے میں بقول انجیل کہتے ہیں کہ وہ ابن آدم کو قتل کریں گے مرقس ۹/۳۱ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ابن آدم نے کس کو قتل کیا تھا جناب پولوس قتل ہوا (قواریخ بائیبل ص۳۱۷) اس نے کس کو قتل کیا تھا۔ جناب یسوع نے بھی پہلے نبیوں کے قتل ہونیکا ذکر کیا ہے متی ۲۳/۳۷ لیکن اُن کا کسی کو قتل کرنا ثابت نہیں کیا یہ بھول اور حافظہ کی کمزوری نہیں؟

انجیل نویسوں کا نسیان

۱۔ مرقس کہتا ہے جیسا یشعیاہ نبی کے صحیفے میں لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کریگا (مرقس ۱/۲) مرقس کی پیش کردہ عبارت یشعیا نبی کے صحیفے میں نہیں ہے بلکہ ملاکی ۳/۱ میں ہے یہ مرقس کے حافظہ کی انتہائی کمزوری ہے حالانکہ مسیحیوں کے عقیدہ کے بموجب وہ روح القدس کی تائید سے لکھ رہا ہے اس نسیان میں جناب روح القدس بھی شامل ہیں۔

۲۔ متی کہتا ہے اُس وقت جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہوا (متی ۲۷/۹) حالانکہ یرمیاہ نبی نے نہیں کہا بلکہ زکریاہ ۱۱/۱۲ میں اس قسم کی عبارت ملتی ہے

۳۔ متی ۱/۱۷ میں گرفتار ہو کر بابل جانے سے لیکر مسیح تک ۱۴ پشتیں ہیں حالانکہ گننے سے ۱۳ بنتی ہیں۔ یہ متی کی بھول ہے۔

۴۔ لوقا ۳/۳۶ ارفکسد سے قینان پیدا ہوا۔ اور اُس سے سلح۔ حالانکہ ارفکسد سے قینان پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ سلح پیدا ہوا۔ (پیدائش ۱۱/۱۲)

"پولوس رسول"

پولوس مسیح کی مانند تھا (۱۔کرنتھیوں ۱۱/۱) پولوس مسیح کا قائمقام ہے (۲۔کرنتھیوں ۵/۲۰) پولوس مسیح کی مانند مانا گیا (گلتیوں ۴/۱۴) یہی پولوس کہتا ہے کہ میں رسولوں میں سب سے چھوٹا ہوں بلکہ رسول کہلانے کے لائق نہیں (۱۔کرنتھیوں ۱۵/۹) حافظہ کی کمزوری اور نسیان سے پھر کہتا ہے" میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں میں کچھ کم نہیں سمجھتا (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۵)

پولوس صاحب فرماتے ہیں" کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرسکا" (گلتیوں ۲/۱۶) یہی پولوس لکھتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے والے راستباز ٹھہرائے جائیں گے (رومیوں ۲/۱۳) اعمال ۲۰/۲۵ میں پولوس کا بیان مرقوم ہے" پھر میرا منہ نہ دیکھو گے" اس پر پادری ٹی۔ واکر صاحب کہتے ہیں" مابعد واقعات سے ظاہر ہے کہ اس کی یہ رائے صحیح نہ ٹھہری (۱۔تمتھیس ۱/۳ و ۲۔تمتھیس ۴/۲۰ تفسیر اعمال ص۵۷۵) یعنی پہلی بات غلط تھی پولوس کہتا ہے اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کوئی فائدہ نہیں۔ (گلتیوں ۵/۲) لیکن یہی پولوس تیموتھیوس کا خود ختنہ کرواتا ہے (اعمال ۱۶/۳) پولوس کہتا ہے کہ تم دنوں مہینوں مقررہ وقتوں کو مانتے ہو اچھا نہیں (گلتیوں ۴/۱۰)

یہی جناب پولوس متبرک دنوں کو خود مانتا ہے (رومیوں ۱۴/۲۰)
پولوس کہتا ہے پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں۔ (طِطُس ۱/۱۵) بے ایمان تمہاری دعوت کریں جو کچھ تمہارے آگے رکھا جائے۔ اُسے کھاؤ (۱۔کرنتھیوں ۱۰/۲۷) کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں۔ (رومیوں ۱۴/۱۴) یہی پولوس کہتا ہے خدا فرماتا ہے ناپاک چیز کو نہ چھوؤ (۲۔کرنتھیوں ۶/۱۷)
پولوس کہتا ہے کہ مسیح زندہ ہو کر پہلے کیفا کو ملا اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا (۱۔کرنتھیوں ۱۵/۵) یہ پولوس کی بھول اور حافظہ کی کمزوری ہے متی ۲۸/۹ وہ زندہ ہو کر پہلے دو مریموں کو ملا۔ دوسری بار وہ گیارہ شاگردوں کو ملا صلیبی واقعہ سے قبل بارہواں شاگرد یہوداہ اسکریوطی مر چکا تھا۔ متی ۲۷/۵ پولوس رسول کے حافظہ کی کمزوری ہے کہ وہ ابھی تک بارہ رسول زندہ بیان کرتا ہے جو اس کی غلط بیانی اور روح القدس کی حقیقت کا بھی اظہار ہے۔ کتاب اعمال ۹/۷ میں لکھا ہے کہ پولوس کے گرد ایک نور آ چمکا وہ زمین پر گر پڑا جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ سب خاموش کھڑے رہ گئے کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے مگر اسی کتاب اعمال ۲۲/۹ میں پولوس کا بیان بھی درج ہے۔ "میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا لیکن آواز نہ سنی" ان دو متضاد بیانوں میں ایک ضرور غلط ہے جو حافظہ کی کمزوری یا غلط بیانی ہے۔

پولوس کہتا ہے میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں چودہ برس ہوئے کہ وہ یکایک تیسرے آسمان تک اُٹھا لیا گیا نہ مجھے یہ معلوم کہ بدن سمیت نہ یہ معلوم کہ بغیر بدن کے یہ خدا کو معلوم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شخص نے (بدن سمیت یا بغیر بدن کے یہ مجھے معلوم نہیں خدا کو معلوم ہے) وغیرہ (۲۔کرنتھیوں ۱۲/۲-۴)

قابلِ غور امر یہ ہے جبکہ پولوس ایک شخص کو جانتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ بدن سمیت تھا یا بغیر بدن کے۔ تو اُس شخص کا جاننا کیونکر ہوا کیونکہ انسان بغیر بدن کے نہیں ہو سکتا اور بغیر بدن کے تو صرف روح ہی ہو سکتی ہے۔ اس کو انسان یا شخص نہیں کہا جا سکتا۔ پولوس کا حافظہ اس قدر ناقص اور کمزور تھا باوجود اُس شخص کو جاننے کے اور اس علم کے کہ اس کو یکایک تیسرے آسمان تک اٹھا لیا گیا اُسے یہ علم نہیں کہ وہ شخص بدن سمیت تھا۔ یا بغیر بدن کے۔

بائیبل اور اناجیل کے مذکورہ بالا حوالے ہم نے اس لئے نقل کئے ہیں کہ مسیحی دوستوں کو احساس ہو کہ الزام خود ان کی مسلّمہ کتابوں پر وارد ہوتا ہے نہ کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال اور تحریرات پر جو قسم قسم کے تناقض سے پاک ہیں۔ یہ محض ان کا تعصب ہے۔ کہ وہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اعتراض حضرت بانیٔ سلسلہ پر نہیں بلکہ خود ان کے اپنے بزرگوں اور مقدس کتابوں پر وارد ہوتا ہے۔ یہ امر شیوۂ انصاف کے خلاف ہے کہ کسی پر بلاوجہ اعتراض کیا جائے۔ حالانکہ وہ اعتراض خود اپنے اوپر وارد ہوتا ہو۔

(بقیہ "تنظیم" میں عریاں فوٹو) اس وقت تقریباً تین ہزار روپیہ ماہوار تنظیم پر بیت المال سے خرچ کیا جا رہا ہے جو ہر نوع زکوٰۃ، صدقات اور اعانتوں سے ہی جمع ہوتا ہے۔ اگر حرام ذرائع سے ہی اقامت دین کے داعی اخبارات کو چلنا ہے تو کیوں نہ سینما، بنک اور دوسرے ممنوع اشتہارات سے پابندی اٹھا کر جان مار کر مخلص کارکنوں کے ایک ایک پیسہ جمع کئے ہوئے بیت المال کو اس گراں خرچ سے بچایا جائے۔"
(المنیر ۱۴ تا ۲۰ فروری ۱۹۵۸ء)

"تسنیم" میں عُریاں فوٹو

ایڈیٹر صاحب المنیر نے عنوان بالا کے ماتحت لکھا ہے :-

تسنیم کی اشاعت مورخہ ۹ فروری میں ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں چار انسانی فوٹو ہیں اور ان میں سے ایک ایسی عورت کا فوٹو ہے جس کی چھاتیاں ابھری ہوئی ہیں بازو اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اس حال میں وہ عریاں بھی ہے اور فحش بھی۔

"تسنیم" جماعت اسلامی کا سرکاری آرگن ہے جو بیت المال کے خرچ سے چلتا ہے جس میں مخلص ترین مسلمانوں کی زکوٰتیں، صدقات واجبہ اور وقتی صدقات شامل ہیں جس کو "اقامت دین" کے نام پر قائم کیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں جماعت کا حتمی اور ناقابل ترمیم فیصلہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کا ہر رکن اپنی پوری زکوٰۃ اس بیت المال میں جمع کرائے اور جس کے متعلق جماعت اسلامی کے ارکان اور کارکن انتہائی خلوص کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے عزیز ترین اقربا، تمام دینی مدارس اور دین کے لئے کام کرنے والے تمام دوسرے اداروں کے بالمقابل یہ بیت المال زیادہ مقدس اور زیادہ لائق امداد ہے۔ اور پھر خود تسنیم کی پیشانی پر بعنوان "اسلامی انقلاب کا داعی" جملہ موجود ہے۔

اس تسنیم میں اب وہ فوٹو شائع ہو رہے ہیں جو صرف انسانی صورت ہونے کی وجہ سے ہی معیوب نہیں، عورت کے فوٹو ہونے کے باعث ہی قابلِ مذمت نہیں بلکہ وہ عریانی اور فحاشی کے باعث ناقابل برداشت بھی ہیں۔ ممکن ہے صورتِ حال سے بے خبر کوئی مخلص کارکن اس فوٹو کی اشاعت کو سہو، نسیان یا غفلت کا مظہر سمجھ کر اسے نظر انداز کر دینے کا مشورہ دیں اس لئے ہم آج مجبور ہیں کہ اس کے الم ناک پس منظر پر روشنی ڈالیں اور اس تابناک حقیقت کے ایک ادنیٰ ترین گوشے سے پردہ سرکائیں کہ جماعت اسلامی اپنے مقصد سے کس طرح ہٹائی جا رہی ہے ــــ

اصل حقیقت یہ ہے کہ پچھلے چند سالوں میں جس اختلاف نقطۂ نظر کی وجہ سے جماعت کے اندر دو طبقے ایک دوسرے سے متصادم ہو رہے ہیں اور اس تصادم کا آخری نتیجہ جماعت سے ایک عنصر کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے فوٹو کا مسئلہ اسی اختلاف کا ایک ادنیٰ مظہر ہے۔ جماعت کا مسلک من حیث الجماعت یہ تھا کہ جماعتی اخبارات میں فوٹو شائع نہ کئے جائیں۔ بلکہ حتی الامکان جماعت کے ارکان اپنے کاروبار میں بھی کسی جاندار چیز کے فوٹو سے مدد نہ لیں (اور بعض ارکان پر اپنی مصنوعات پر فوٹو کی اشاعت پر اعتراض اور جماعتی اجتناب کی مثالیں بھی موجود ہیں) ــــ مولانا مودودی صاحب کے فتاویٰ میں فوٹو کی حرمت "مزحتہ" موجود ہے اور جماعت نے اپنے ابتدائی دور میں ہر قسم کی مشکلات کے باوجود اخبارات اور رسائل کو اس نجاست سے پاک رکھا۔

لیکن جو حضرات سیاسیات میں آگے بڑھنا چاہتے تھے انہوں نے ایک عرصہ سے جماعت کو ان حدود و قیود سے آزاد کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ جو جماعت کو ایک عام سیاسی جماعت بنانے کی راہ میں رکاوٹ تھیں ان حضرات نے بیسیوں مورچے قائم کر رکھے تھے ان میں سے ایک محاذ جماعتی اخبارات میں فوٹو کی اشاعت تھا ــــ ان حضرات کے بالمقابل وہ لوگ تھے جو جماعت کو اس کے اصل دعویٰ اقامتِ دین اور اس کے مخصوص طریقِ کار کا پابند دیکھنا چاہتے تھے اور وہ ہر مرحلہ پر اس قسم کی کوششوں کو ناکام بنانے کی سعی کیا کرتے تھے

اس کش مکش کی صورت بالعموم یہ ہوتی تھی کہ جماعت کو دینی اور اخلاقی حدود اور اپنے پیش کردہ اصولوں کی پابندی پر قائم رکھنے والے حضرات دلائل سے اپنی بات پیش کرتے اور اپنی تائید میں جماعت کے اپنے لٹریچر کو بھی زیر بحث لاتے لیکن اس کے خلاف جماعت کو ان پابندیوں سے آزاد کرانے کے متمنی حضرات وقتی ضرورتوں، مصالح اور حالات کے تقاضوں کو بطور دلیل سامنے لاتے اور جب انہیں اس میں شکست اٹھانا پڑتی تو وہ شبخون (ہم اس لفظ پر معذرت خواہ ہیں) مارنے کے درپے ہو جاتے اور اس اصول پر عمل پیرا ہوتے کہ کسی بڑی سے بڑی برائی کو جماعت میں رائج کرنے کے لئے تدریج اختیار کرکے ارکان اور کارکنوں کے لئے قابل برداشت بنایا جائے اس کا آغاز بڑے ہلکے انداز سے کیا جائے اور آخر میں وہ حرف مقصد سامنے لایا جائے جو پہلے ذہن میں موجود ہو۔ چنانچہ فوٹو کے مسئلہ میں ان کی یہ روش بڑی آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔ ان حضرات نے سب سے پہلے اسکیچ شائع کرنے شروع کئے اس پر فوٹو کی حرمت سے آشنا مخلص کارکنوں نے احتجاج کیا اور شوریٰ میں بھی بحث ہوئی تو ان حضرات نے فوٹو، تصویر اور اسکیچ کے درمیان لکیریں کھینچیں ــــ لیکن انہیں فیصلے کی حد تک کچھ زیادہ کامیابی اس مسئلہ میں نہ ہوئی تاہم چند مرتبہ اسکیچ شائع ہوئے اور اس کے بعد چند بار ایسے اشتہارات بھی شائع کئے گئے جن میں انسانوں کی تصاویر تھیں یہ لیکن ان کے چہروں کو مسخ کر دیا گیا۔ درمیان میں کبھی کبھار بغیر مسخ کئے چہرے شائع کئے گئے پھر تیسرے مرحلے پر کارٹونوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو شوریٰ کے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کسی صاحب نے اس پر گرفت کی یا نئی شوریٰ ان مسائل پر گفتگو کو ضروری خیال نہیں کرتی تھی تاہم ارکان جماعت نے اس پر اعتراضات کئے جنہیں تاویل و معذرت قسم کی ملی جلی باتوں سے خاموش کرنے کی کوشش کی گئی۔

اب آخری مرحلہ اس طرز عمل کی تکمیل کا سامنے آیا ہے۔

کہ ایک فحش اور عریاں فوٹو تسنیم میں شائع ہو رہا ہے اور بعض دوسرے پرچے (جو جماعت کے بیت المال سے مالی امداد حاصل کرتے رہے ہیں) سودی قرضوں کے اشتہارات بھی شائع کرنے لگے ہیں ــــ اس موقع پر ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو مسلمان ہونے کی بنا پر اقامتِ دین کے فریضہ سے وہی تعلق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کو اس سے ہونا چاہیئے ان تمام حضرات کو جو جماعت اسلامی کی جد و جہد سے اس فریضۂ عادلہ کی انجام دہی کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ عرض کرنا ہم اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس صورتِ حال پر غور فرمائیں ــــ ہم سب کو ایکدن اس رب غیور کے سامنے جانا ہے جس کی غیرت کا سب سے بڑا مظہر "دین حق" سے انحراف ہے اور اس کی تعلیمات کو عمداً تحریف کرنے کی نامسعود کوششیں ہیں ــــ یہ لمحہ جماعت اسلامی کے تمام ارکان متفقین اور متاثرین کے لئے فکر کا لمحہ ہے کہ وہ دیکھیں کہ یہ قافلہ کس رُخ کی جانب بڑھ رہا ہے۔

ہم یہ بھی عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ایک ایسی دعوت جس کا آغاز سیدنا عثمان ذوالنورین سے شاہ اسماعیل شہید تک کے پاکباز خلفاء مجددین اور صلحاء پر تنقید سے ہوا اور جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ جد و جہد ان تمام "نقائص" سے مبرا اور پاک ہوگی جو تیرہ سو سال کے احیاء کی کوششوں میں پائے گئے تھے ــــ آج یہ جد و جہد خود کس حال میں ہے؟

فوٹو کے مسئلہ میں یہ بات کہنا بھی ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اگر بالآخر اسی مقام پر پہنچنا تھا جس پر آج تسنیم پہنچ چکا ہے اور اگر اشتہارات کے سلسلے میں سودی کاروبار کے اشتہارات بھی جائز قرار پانے تھے تو خدا کیلئے سوچیئے کہ اس وقت تک بیت المال سے جو دو لاکھ سے زائد رقوم اکیلے تسنیم کے خسارے میں ادا کی گئیں یہ عظیم نقصان کیوں برداشت کیا گیا؟ اور اگر آج سود کے اشتہارات جائز ہیں تو سینما کے اشتہارات کیوں حرام ہیں؟ (باقی ص۶۴ پر)

اسلامی جماعت کی باہمی کشمکش کا ایک منظر

امیر جماعت علیحدہ ہونے والوں کو "شرافت" سے عاری قرار دیتے ہیں!

جناب ایڈیٹر صاحب "المنیر" لائل پور نے جو ابھی حال میں ہی امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب سے علیحدہ ہوئے ہیں۔ ایک مضمون اپنے اخبار میں زیر عنوان "جماعت اسلامی سے الگ ہونے والوں کے متعلق مولانا سید ابو علیٰ مودودی کا ارشاد گرامی" شائع کیا ہے۔ یہ مضمون اس جماعت کے بعض اندرونی حالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور اس میں بہت سے عبرت آموز سبق ہیں اس لئے ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب المنیر لکھتے ہیں۔

"جماعتِ اسلامی نے اس ملک میں اپنے مخلص کارکنوں اور دینی رجحانات کی وجہ سے ایک ایسا مقام حاصل کر لیا تھا جو اس کے لئے وجہ مسرت تھا اور اس ملک میں دین کو قائم دیکھنے کی آرزو رکھنے والوں کے لئے ایک سہارے کی حیثیت رکھتا تھا — لیکن جماعت جب سے اندرونی انتشار کا شکار ہوئی ہے اس وقت سے ہر وہ شخص جس کے دل میں دین کی محبت ہے قلبی صدمہ محسوس کرتا ہے اور جو لوگ اس جماعت پر توقعات رکھتے تھے وہ محسوس کر رہے ہیں جیسے ان کا کوئی ذاتی نقصان ہوا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ پریشان ہیں اور بعض مایوسی کے حملوں کا شکار ہیں

یہ احساسات فطری ہیں اور دین سے دلی لگاؤ کا تقاضا ہے کہ دین کی عظمت کے لئے جد وجہد کرنے والی جماعتوں کا انتشار باعث رنج و ملال ہو — بلکہ حق یہ ہے کہ یہ رنج و ملال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو دین سے سچی محبت ہے اور اس نے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایا دین کو سمجھا ہے۔

لیکن اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی جماعت میں اختلاف دین ہی کی بنیاد پر ہو اور صورتِ حال یہ پیدا ہو جائے کہ ایک شخص یا بہت سے اشخاص کسی جماعت یا اس کے قائد کے کسی نظریہ کو خلاف حق سمجھیں، اس نے جو موقف اختیار کر لیا ہو اسے دلائل سے غلط اور پہلے موقف سے انحراف ثابت کیا جائے، جماعت کے اندر دو گروہ پیدا ہو جائیں ایک وہ جو یہ یقین رکھتا ہو کہ جماعت کے راہ نما کا طرز عمل اقامت دین کی جدوجہد اور جماعت کے دینی مزاج کو سخت نقصان پہنچانے والا ہے اور دوسرے کے نزدیک جماعت کے قائد کی ہر بات اور تمام اقدامات ایسا حق ہوں جس کے خلاف شبہ بھی معصیت کا درجہ رکھتا ہو — جماعت کے اندر ذمہ دار لوگوں کی پوزیشن یہ ہو جائے کہ وہ جماعت کے برسر کار عنصر کو جماعت کے فلسفے، اس کے سیاسی عقیدے، اس کے بنیادی طریق کار اور اس کے دستور اور امتیازی خصوصیات کو ختم کرنے والا یقین کرتے ہوں — اور آخری بات یہ کہ ان ذمہ داروں نے سالہا سال اس طرح گذارے ہوں کہ وہ جماعت کی مرکزی تنظیم اور مرکزی شوریٰ میں (اپنے نزدیک) ہر خلاف حق بات پر دلائل سے لڑتے ہوں۔

پر غلط اقدام پر شدت سے بحث کرتے ہوں اور ہر ایسے فیصلے کے خلاف سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو جاتے ہوں جو جماعت کو غلط راہ پر لے چلنے والا ہو اور عملاً انہوں نے جماعت کو شدید ترین نقصانات سے بچایا ہو —— لیکن ادھر صورتِ حال یہ پیدا ہو جائے کہ وہ ایک مدت سے اصلاحِ احوال، غلط فیصلوں اور جماعت کے اصل مقصد کو نقصان پہنچانے والے اقدامات کو روکنے میں ناکام ہو رہے ہوں اور آخر الامر وہ یہ دیانتہً محسوس کریں کہ اصلاح کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں —— اور واقعہ یہ ہو کہ ان میں سے ہر شخص اس صورتِ حال سے دوچار رہا ہو کہ اس نے کئی سال، کئی مہینے اور ان کی بے شمار راتیں کرب و اضطراب میں گذاری ہوں ان میں سے بعض نے ذہنی کوفت اور قلبی اذیت اس قدر برداشت کی ہو کہ ان کی جسمانی صحت کا ڈھانچہ تک تباہ ہو چکا ہو اور وہ ہر قدم پر یوں محسوس کر رہے ہوں کہ ان کی زندگی کا سرمایہ لٹ گیا، ان کی دنیا اُجڑ گئی، ان کی بہار خزاں سے بدل گئی —— اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اس جماعت سے دین کے قیام کی جو امیدیں وابستہ کی تھیں وہ یہ یقین کر لیں کہ یہ موت کے گھاٹ اتار ڈالی گئیں اور اب ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں جس میں انہوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ گذارا، جس جماعت کو انہوں نے اپنی برادری سمجھا، جس جماعت کو انہوں نے اپنا کنبہ خیال کیا اور جس جماعت کی ترقی، توسیع اور استحکام کے لئے انہوں نے اپنوں اور بیگانوں سے سالہا سال مدافعانہ جنگ لڑی —— اگر کسی کے سینے میں زندہ اور متحرک دل ہے اور اس دل میں انسانی ہمدردی، انسانی احساسات —— اور دینی جذبات کو سمجھنے کی صلاحیت ہے تو یہ بات بآسانی محسوس کر سکتا ہے کہ ایسے اشخاص اس قسم کا آخری فیصلہ کب، کیسے اور کس مرحلہ پر کریں گے اور ان کی ذہنی و نفسیاتی کیفیت کیا ہو گی اور ان میں سے کتنے ہوں گے۔ جو آئندہ زندگی کو اس ہولناک سانحہ اور بسا اوقات عقل کو مختل کر دینے والے ایسے صدمے کے ردِّ عمل سے محفوظ نہیں رکھ سکیں گے اور پھر یہ بات بھی امرِ واقعہ کی حیثیت رکھتی ہو کہ اس فیصلہ کے کرنے میں کسی نے بھی عجلت سے کام نہ لیا ہو —— بلکہ مہینوں اور سال اس میں صرف کئے ہوں، ہر قسم کی مخلصانہ مساعی صورتِ احوال کی اصلاح کے لئے انہوں نے کی ہوں —— اور ایسے شدید ترین لمحات بھی ان پر بیتے ہوں کہ وہ اندر سے مایوسیوں اور تاریکیوں کے طوفان میں گھرے ہوئے ہوں لیکن یونہی کوئی شخص ان سے اگر صرف اتنی بات کہہ دے کہ —— دُور —— بہت دُور —— خلاؤں کے اس پار روشنی کی ایک کرن میں دیکھ کر آیا ہوں آپ اپنا فیصلہ ملتوی کر دیجئے۔ ہم نہیں بلکہ آپ اس بحران سے جماعت کو نکالنے میں ان لوگوں کا ساتھ دیجئے جو تمہاری اپنی نگاہ میں اس صورتِ حال کے پیدا کرنے والے ہیں —— اور یہ صرف اس لئے کہ اصلاح کی ایک چھوٹی سی کرن میں دیکھ کر آیا ہوں —— اور ادھر فوراً ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور اپنی عزت، اپنی ناموس، اپنی شہرت —— بلکہ اپنے خلوص تک کو داؤں پر لگا کر ان میں سے باہمت لوگ جماعت کو بحران سے نکالنے کے لئے میدان میں کود پڑیں اور حضرت مسیحؑ کے اس اسوہ کی پیروی کر کے اپنے ضمیر و ایمان کی پاکیزگی کا ثبوت مہیا کر دیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔ لیکن جونہی اس نے خدائے قدوس کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے چوری نہیں کی تو سیدنا مسیحؑ نے فرما دیا عیسیٰ کی آنکھوں نے جھوٹ دیکھا۔

ہاں کہنا تو کچھ اور ہی مقصود تھا لیکن ایک دُکھا ہوا دل، ایک مبتلاءِ وحشت ذہن، ایک ہارا ہوا کھلاڑی اور ایک ایسا شخص جس نے گو خود تو کچھ نہ لٹایا ہو، اس کے اپنے دامن میں تو کوئی حبہ بھی ایثار و قربانی کے لئے نہ کبھی رہا ہو۔ اور نہ آج موجود ہو لیکن اس نے اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے

دلدوز واقعات دیکھے ہوں کہ جب بھی وہ منظر سامنے آ جائیں تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکتا ہو اور جونہی اس کے تار مضراب کو ہلا دیا جائے وہ اس کی آواز کو روکنے پر قادر نہ ہو۔ جب بھی وہ اس الم انگیز داستان کا تذکرہ کرے گا اس کا قلم اسی طرح مضطربانہ چلے گا۔ تاہم ہمیں اپنے احساسات و جذبات پر قابو پانا ہے اور دل کو اسی طرح جس طرح آج تک ہم نے تمام تڑپتے چیخوں کے باوجود اسے دبائے رکھا ہے اب بھی اسے محروم نالہ رکھنا ہے۔ ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

جماعت اسلامی کا یہ انتشار ایک عرصہ سے دردمند قلوب کے لئے اضطراب کی وجہ بنا ہوا تھا۔ لیکن جس روز سے یہ اطلاع اخبارات میں آئی ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب بھی جماعت اسلامی کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے —— تو یہ خبر ان تمام لوگوں کے لئے شدید ترین اضطراب کا باعث تھی جو جماعت کے حالات میں بہتری کی کوئی بھی امید رکھتے تھے۔ ان کا یہ آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا۔

اور اس کا دوسرا ردِ عمل یہ ہوا کہ پبلک میں یہ بات اب بڑی اہمیت اختیار کر گئی کہ وہ صورتِ حال کا صحیح علم حاصل کرے —— یہ اس لئے کہ جماعت اسلامی اب اس دور سے نکل آئی تھی کہ اس کے اندر کوئی بڑے سے بڑا حادثہ ہو اور لوگوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہ ہو —— جماعت اب ایک عوامی جماعت تھی اور دوسرے یہ کہ اب جماعت سے علیحدہ ہونے والی شخصیت بھی کوئی گمنام شخصیت نہ تھی۔ ہر شخص جانتا ہے مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی ان دونوں اصحاب کی رفاقتیں اور تحسینیں اس جماعت کے لئے کتنا اہم مقام رکھتی ہیں۔ اس بنا پر عوام کے بعض طبقات کو بہرحال یہ خیال تھا کہ وہ اصل بات کا علم حاصل کریں —— اس تجسسِ احوال کا نتیجہ تھا کہ ایک معروف روزنامہ کے ایک ایسے رکن ادارہ نے جو کسی اہم ترین مسئلہ پر اور کسی بڑے آدمی کے انٹرویو کے لئے ہی جایا کرتے ہیں وہ مولانا کے مکان پر پہنچے اور ان پر زور دیا کہ وہ اس مسئلہ پر اظہارِ خیال فرمائیں۔

ہم نے مولانا کے اس انٹرویو کو اخبار میں پڑھا تو اس کمی بیشی کو جو ہر اخباری انٹرویو میں ناگزیر ہوتی ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے خدا کے قدوس کا شکر ادا کیا کہ مولانا نے امکان کی آخری حد تک احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے اور انہوں نے جماعت سے علیحدگی کے باوجود جماعت سے سابقہ رفاقت کا حق ادا کر دیا ہے۔

لیکن دو تین روز کے بعد جب ہم نے اسی اخبار میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ خط جو انہوں نے ۵۶ء کے آخر میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام لکھا تھا اس نوٹ کے ساتھ دیکھا کہ اس کے بعد مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا وہ خط بھی شائع ہو رہا ہے۔ جو موصوف نے اس کے جواب میں مولانا مودودی صاحب کو لکھا تھا تو خدائے قدوس شاہد ہے۔ ہمیں اس کا صدمہ ہوا —— بلاشبہ راقم کی خواہش رکنیت سے علیحدگی کے بعد یہ تھی کہ دونوں خطوط ارکان جماعت کے علم میں آ جائیں تاکہ وہ جماعت کی صورتِ حال سے آگاہ ہو جائیں اور اگر خدا کے کچھ بندے اس جماعت میں ایسے ہوں جو جماعت کو تباہی سے بچا سکتے ہوں تو وہ اپنا فرض ادا کر لیں لیکن یہ خواہش اس موقعہ پر ہرگز نہ تھی کہ یہ خطوط یوں پریس میں آ جائے۔

لیکن جب یہ سانحہ بھی ہو گزرا تو اس کے معاً بعد امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ایک بیان تسنیم میں شائع ہوا —— محترم مولانا مودودی صاحب کے اس بیان پر ہم نے بارہا غور کیا لیکن ہم اپنے تاثرات کو یکساں نہیں کر پائے جہاں تک مولانا کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ پاکستان میں دینی رجحانات رکھنے والوں اور لادینی ذہن کے حاملین کے مابین جو کشمکش برپا ہے اہل دین کے باہمی اختلافات، اور ان اختلافات کی اشاعت ان کے موقف کو کمزور

اور لادینی عناصر کو طاقتور بنانے کا ذریعہ بنتے ہیں اس لئے یہ اختلافات پبلک اور پریس میں نہیں آنے چاہئیں۔ ہم اس کی دل سے تائید کرتے ہیں اور ناظرین المنبر شاہد ہیں کہ ہم ایک طویل مدت تک خود اس نظریہ کے گرم جوش مبلغ رہے ہیں اور ہم نے جماعت اسلامی سے اختلاف کرنے والوں کو دوسرے دلائل کے علاوہ اس دلیل کی بنا پر بھی اس کے موقف پر نظر ثانی کی دعوت دی ہے ـــــ لیکن ہم انتہائی درد کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ بات مولانا نے اس وقت ارشاد فرمائی ہے جب کہ خود ان کی جانب سے اس بارے میں آخری نوع کی بے احتیاطی (ہم عمداً یہ نرم سے نرم اور مؤدبانہ لفظ لکھتے ہیں . . . . .) عملاً وقوع پذیر ہو چکی ہے۔

مولانا اور ان کے خصوصی حامیوں سے زیادہ کوئی شخص اس حقیقت سے باخبر نہیں ہے کہ جماعت اسلامی میں یہ مہلک وبا آج سے تقریباً تین سال قبل (جب جائزہ کمیٹی اول کا تقرر ہوا تھا) شروع ہوئی تھی اور ایک طرف سے اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف پروپیگنڈے کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ان تین سالوں میں یہ آگ کس طرح سلگی پھر شعلہ زن ہوئی، بھڑکی اور اس نے بالآخر بلوۂ عام کی حیثیت اختیار کی اور اس کو پھونکنے، ہوا دینے اور طوفان بنانے میں کس کس کے قلم نے، زبان نے، منصوبہ بندی نے اور عملی اقدامات نے کیا کیا حصہ لیا ـــــ یہ وہ المناک داستان ہے جس کے ایک ایک حرف سے براہِ راست آگاہ ہونے کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صبر و عزیمت سے نوازے اور ہمیں ہر اشتعال انگیزی پر اس بات کی توفیق دے کہ ہم اس تاریخی المیہ کو قرطاس پر نہ لائیں۔

پھر اس کے بعد جب کچھ لوگ مجبور ہو گئے کہ اپنے نشیمن کو چھوڑ کر ویرانے کی زندگی گذاریں اور اپنے سالہا سال سے بنائے ہوئے گھر سے نکل کر از سرِ نو اپنے کام کا آغاز زمین کی تلاش سے کریں تو جو حملے ان لوگوں پر جماعت اسلامی کے اہل قلم، ادیب اور کارفرما حضرات نے کئے آج بھی ان کے آثار افسانوں، مقالات اور شذرات و مضامین کے صفحات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ سارا زمانہ اسی طرح گذرا لیکن . . . . . . اگر کسی کے دل میں دینی رجحان اور لادینی رجحان کے مابین ایک "فیصلہ کن" کش مکش کا احساس تھا تو آخر اس یک طرفہ اور غیر اخلاقی جنگ کو کیوں ختم نہ کیا گیا۔ درآنحالیکہ اس ایک ایک مورچہ کی تفصیلات خود مولانا کے حضور نہایت ادب و احترام سے پیش کی گئی تھیں۔

مولانا نے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے:۔

"جو حضرات جماعت اسلامی اور اس کے کام اور نظام سے مطمئن نہیں رہے تھے وہ اس سے الگ ہو کر خود جس طریقے کو بہتر سمجھتے تھے اس پر کوئی مثبت کام شروع کرتے اور کسی منفی کام میں خواہ مخواہ اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع نہ کرتے۔ لیکن اگر وہ اسی کو ضروری سمجھتے ہیں تو انہیں اختیار ہے جو کچھ چاہیں کریں۔ ہم بہر حال اسے صحیح نہیں سمجھتے۔"

اے کاش کہ اس دینی جذبے اور مثبت کام کرنے کے احساس نے اس وقت روکا ہوتا جب ان بد قسمت علیحدہ ہونے والوں کو مجمعوں اور جلسوں، خلوتوں اور جلوتوں میں رسوا کرنے کی مہمات چلائی گئی تھیں اور اس ہمن مرتبہ شہادت کا پاس کیا گیا ہوتا جو اجتماع ماچھی گوٹھ میں خود امیر جماعت کی زبان سے صادر ہوئی تھی کہ "مرکزی شوریٰ کے جو ارکان جماعت کی پالیسی سے اختلاف رکھتے ہیں میں اپنے تجربات اور مشاہدے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ مخلص ہیں اور ان کا اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہے"۔

ہم اس سے کما حقہٗ متفق ہیں کہ ان لوگوں کو مثبت کام کرنا چاہیئے —— اور ہر قسم کی بے سرو سامانی کے باوجود یہ مثبت کام خالص توفیق الٰہی سے شروع ہو چکا ہے۔ اور انشاء اللہ یہ اسی پیمانے پہ ہوگا جس پیمانے پر اس دور میں ممکن ہے —— لیکن کیا اچھا ہوتا انہیں اپنی طرف سے بھی اس مثبت کام کرنے کے لائق چھوڑا جاتا اور ان کی علیحدگی سے پہلے اور بعد ان کے خلاف بہتان افتراء اور تذلیل و توہین کے معرکے سرنہ کیئے جاتے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے آج تک —— مولانا محترم کے بیان کے بعد بھی —— بدستور جاری ہے۔ بلکہ نئے نئے حربے ایجاد ہو رہے ہیں اور ہر آن ان میں نئی جدتیں اختیار کی جا رہی ہیں —— اور ہم مجبور ہیں کہ اس پر نہ شکوہ کریں نہ شکایت —— بہر حال مولانا صاحب کا اس پیرا گراف میں یہ تأثر کہ علیحدہ ہونے والے ہی اس بیہودہ فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ مثبت کام کو چھوڑ کر منفی کام کر رہے ہیں خلاف واقعہ تأثر ہے —— اے کاش! مولانا کو علیحدہ ہونے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ انہوں نے اپنے دل میں زخم پائے ہیں کہ ان کے عزیز ترین دوستوں، عزیزوں اور ملنے والوں نے ان سے زبانی سوالات کیئے، خطوط لکھے، میدانِ حشر میں جوابدہی کا احساس دلا دلا کر پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم اس جماعت سے الگ کیوں ہوئے؟ تو ان میں سے ایک ایک شخص نے بیسیوں خطوط من وعن اپنی درازوں اور فائلوں میں دفن کر دیئے۔ اور ان کے بھیجنے والوں کو بعض اوقات معذرت اور رسید بھی نہ بھیجی۔ کہ مبادا اس میں کوئی حرف اور جملہ ایسا نکل جائے جو بحث کی وجہ بن جائے —— اور انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ منفی کام کریں — اور وہ بھی اس طرز پر کہ اس سے لادینی رجحانات رکھنے والے فائدہ اٹھائیں۔ اور دینی رجحان رکھنے والوں کی دلشکنی ہو۔

مولانا نے "صبر و سکوت" کی اپیل اور خود صبر و سکوت اختیار کرنے کے اعلان میں ایک بات یہ بھی فرمائی ہے۔ کہ

"شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ مل کر نہ چل سکتے ہوں وہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ اور کبھی پھر ملنے کی گنجائش باقی رہنے دیں"

ہمارے مخدوم مولانا نے پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی ہے کہ "خاموشی سے علیحدگی اہل شرافت کا شیوہ ہے" اور دوسری یہ کہ جن لوگوں نے خاموشی سے علیحدگی کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ وہ شرافت سے محروم اور اس کے تقاضوں کو پامال کرنے والے ہیں۔

جہاں تک خاموشی سے علیحدگی کے مسئلہ کا تعلق ہے۔ ہم انتہائی ادب کے ساتھ مولانا کی توجہ دو امور کی جانب دلانا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اختلاف کا اظہار کیا صرف علیحدہ ہونے والوں کے لیئے ہی حرام ہے۔ یا سب مسلمانوں کے لیئے اگر یہ شرعی مسئلہ سب کے لئے ہے تو مولانا غور فرمائیں سیدنا عثمان ذوالنورین سے حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ تک کے اتقیاء، صلحاء، مجددین اور خلفاء سب پر تنقید، ان کے اعمال پر گرفت اور ان کے نظریات و افکار پر بحث تو اقامت دین کی جدوجہد کا اہم باب قرار پائے۔ لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کے افکار اور ان کے طرزِ عمل اور انکی پالیسیوں پر گفتگو شرافت سے محرومی کا ذریعہ بنے، اس سے دین پسند عناصر کے حوصلے پست ہوں۔ اور اقامتِ دین کی جدوجہد کو اس سے نقصان پہنچے —— ہم اپنے نقص عمل و فہم کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان دونوں باتوں

میں باہم توافق ہماری سمجھ میں نہیں آسکا؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ کیا مولانا ممدوح اور ان کے رفقاء کار معصوم عن الخطا ہیں۔ یا نہیں — اگر پہلی صورت ہے تو مولانا اس کی وضاحت فرمادیں لیکن اگر اس امر کا امکان ہے کہ مولانا کے نظریات کا کوئی پہلو غلط ہو۔ وہ کسی دینی مسئلہ پر ٹھوکر کھا جائیں وہ امت کے امراض کو غلط سمجھیں اور ان کا علاج غلط تجویز فرمائیں اور یہ غلطی کسی دوسرے شخص پر (خواہ وہ مولانا اور ان کے رفقاء سے کتنا ہی کم علم اور ان کے بالمقابل حد درجہ حقیر ہی کیوں نہ ہو) واضح ہو جائے تو کیا اس کا دینی فرض یہ ہے یا نہیں کہ مولانا اور ان کے ساتھیوں پر یہ غلطی واضح کرے اور اگر اس کی دیانت یہ رہنمائی کرے کہ کسی مرحلہ پر اس نوع کی غلطیوں کی اطلاع جماعت کے ارکان متفقین اور متاثرین کو پہنچانا ضروری ہے تو ان کو بھی باخبر کرے — اگر اسے یہ حق ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا شکل ہے؟

اس مسئلہ کی نوعیت اس صورت حال سے مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اگر یہ شخص جماعت میں رہے اس پر یہ پابندی ہو کہ وہ عام ارکان کے سامنے اس اختلاف کا اظہار نہیں کر سکتا اگر ایسا کرے گا۔ تو اس پر "بجو کی کاٹتے پھرنے" کا الزام عائد ہوگا۔ اور اسے اس جرم کی بنا پر جماعت سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص جماعت سے اس اختلاف کی بنا پر الگ ہو جائے اور کہیں یہ بیان کر دے کہ میں ان وجوہ کی بنا پر جماعت سے الگ ہوا ہوں۔ یا جماعت اس نوع کی غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔ یا امیر جماعت نے فلاں فلاں بات غلط کی اور فلاں فلاں مسئلہ میں انہوں نے خلاف حق فیصلہ دیا ہے تو مولانا کے نزدیک یہ شخص شرافت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیا اس صورت حال سے ایسی کیفیت تو نہیں پیدا ہو جاتی کہ حق صرف جماعت اسلامی کے اندر ہی محدود اور دائر ہے۔ اور اس کے باہر خالص باطل ہے۔ اور جماعت یا اس کے امیر جو فیصلہ صادر فرمادیں، جو طریق کار تجویز کریں جو اقدام کریں اور جس قسم کی پالیسی وضع کریں وہ وحی کی حیثیت رکھتی ہے نہ اس پر جماعت کے اندر گفتگو ہو سکتی ہے اور نہ جماعت سے الگ ہو کر کسی شخص کو حق حاصل ہے کہ اس سے اختلاف کا اظہار کرے۔

اگر ایسا ہو تو مولانا اس کی وضاحت فرمادیں۔ ہم اپنے ذہن کو ہر وقت کھلا رکھیں گے اور بات سمجھ میں آجانے پر اس کی تعمیل بھی کریں گے اور دوسروں سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ اسی کے مطابق عمل کریں۔

لیکن اگر بات اس طرح نہیں ہے تو مولانا غور فرمائیں کہ وہ کس نوع کا ذہن پیدا فرما رہے ہیں۔ کیا دنیا میں آج تک کبھی فکر و نظر پر اس طرح کے پہرے بٹھائے گئے ہیں؟ کیا کبھی بنیادی اختلافات کو یوں دبایا جا سکا ہے؟ اور کیا جماعتوں کے ہزاروں افراد کو کبھی اس طرح صورت حال سے بے خبر رکھنے یا یک طرفہ معلومات بہم پہنچا کر ان کو جماعتی عصبیت کے دائرے میں محدود رکھنے سے کام چلا ہے؟

"شرافت کے تقاضے" کا جملہ؟ — ہم اپنی بے چارگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ باوجود جماعت اسلامی سے ہر قسم کی ناامیدی، مایوسی بلکہ دین کے حق میں شدید احساس خطرات کے ہم آج بھی لہجہ اور زبان نہ صرف یہ کہ خود اختیار نہیں کر سکتے بلکہ ہمارے بے بسی یہ بھی ہے کہ ہم اس پر تبصرہ بھی نہیں کر سکتے۔ جواب دینا تو بڑی بات ہے۔ اور جواب دیں بھی تو آخر کیسے؟ — اگر مولانا کے نزدیک علیحدہ ہونے والے شرافت سے بھی محروم ہیں تو انہیں غور فرمانا چاہیئے کہ وہ انہیں دین کے لئے مثبت کام کرنے کا مشورہ کس بنا پر دے

رہے ہیں کیا شرافت سے تہی لوگوں نے دین کے لئے مثبت کارنامہ کبھی انجام دیا ہے؟ —— اور پھر یہ پہلو بھی تو قابلِ غور ہے کہ کیا یہ لوگ آج تک مولانا کی صحبت سے شرافت بھی حاصل نہیں کر پائے؟

اے کاش! مولانا یہ زبان اختیار نہ فرماتے اور "دوسروں کی نہی" کے بالمقابل اپنے دعووں کی پابندی کا لحاظ رکھتے۔

البتہ ہم اس پر خدائے ذوالمنن کا شکر ادا کرتے ہیں کہ علیحدہ ہونے والے —— نہیں! شرافت سے تہی دامن —— حضرات نے جو کچھ بھی کیا ہو کم از کم یہ لہجہ اختیار نہیں کیا.....

ہماری دعا ہے کہ مولانا صبر و سکوت کو صحیح معنوں میں اور مستقل مزاجی کے ساتھ اختیار فرمائیں اور ان کا مرکز بھی اسی رویے کو اپنائے —— البتہ ہمیں اس بارے میں شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ صبر دیر پا نہیں ہوگا۔ اور اس کے آثار ابھی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ "نوائے وقت" میں ایک مقامی جماعت کے امیر نے اس وصیت صبر و سکوت کے بعد یہ فرمایا ہے کہ

> "جائزہ کمیٹی کے ارکان نے جو رویہ مجلس شوریٰ میں اختیار کیا تھا وہ اپنے اپنے حلقے کے ارکان کی ترجمانی نہیں تھی —— مولانا مودودی نے ان کو مستعفی ہونے کا بالکل درست مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ اپنے حلقۂ انتخاب کے نہیں بلکہ ایک محدود (پندرہ افراد) کی ترجمانی اور نمائندگی اختیار کر رہے تھے"۔
>
> (نوائے وقت ۲۹ جنوری ۵۸ء)

غور فرمایئے! کیا مطلب یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان شوریٰ میں اپنے رویے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے انہی اخبارات کو ذریعہ بنائیں اور وہ اس بات پر بھی اپنے دلائل پیش کریں کہ امیر جماعت اسلامی نے ان سے مستعفی ہونے کا جو مطالبہ کیا تھا اور ان پر یہاں سے وہاں تک جو الزامات عائد کئے گئے تھے۔ یہ اسلام کے اصول عدل، جماعت کے اساسی دستور اور جماعت کے دینی مزاج کی نفی کے مترادف تھے —— آخر صاحب مکتوب چاہتے کیا ہیں؟ (المنبر ۱۴ فروری ۵۸ء)

(بقیہ ہفتہ تحریک وصیت صفحہ ۱۲)

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی تقریر "نظام نو" میں فرمادی۔ لیکن ہم اپنے اس مقصد کی طرف پوری تیز رفتاری کے ساتھ نہیں آ سکتے جب تک کہ منقول اور جائداد والے اصحاب بھی اس تحریک میں کثرت کے ساتھ شامل نہ ہوں۔ پس ضروری ہے کہ ان مبارک ایام کو قریب تر لانے کے لئے خوشحال اور حیثیت والے احباب کو بھی اس مبارک تحریک میں شامل ہونے کے لئے زور سے ترغیب و تحریص دلائی جائے۔

دوم۔ حصہ آمد اور جائداد کے نئے اور پرانے موصیوں کو یہ تحریک کی جائے کہ وہ اپنی وصیتوں کے معیار میں اضافہ کریں یعنی حسب توفیق $\frac{1}{10}$ کی بجائے $\frac{1}{9}$ کی اور $\frac{1}{9}$ کی بجائے $\frac{1}{8}$ کی وصیت کریں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس

سوم۔ جن احباب کی وصایا بوجہ بقایا دار ہونے کے کسی وقت منسوخ ہو چکی ہیں ان کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنی وصایا کو بحال کرانے کی کوشش کریں۔

چہارم۔ اگرچہ قاعدہ یہی ہے کہ منقولہ جائداد کی وصیت کا حصہ بھی موصی کی وفات کے بعد اس کے ورثہ ادا کریں لیکن ترغیب دلائی جائے کہ منقولہ جائداد (مثلاً مستورات کے زیور اور مہر اور نقد روپیہ) کے موصی اصحاب اپنا حصہ وصیت اپنی زندگی میں ادا کریں۔

پنجم۔ حصہ آمد کے موصی احباب پر سلسلہ کی روز افزوں ضروریات کے پیش نظر زور دیا جائے کہ وہ آمد کا ماہوار حصہ شرح صدر اور باقاعدگی کے ساتھ ادا کر کے اپنے مقررہ بجٹ کو پورا کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر ان کے ذمہ سالہائے گذشتہ کا کچھ بقایا ہو تو اسے بھی جلد ادا کرنے کی فکر کریں۔ (باقی

ہفتہ تحریکِ وصیّت

احباب جماعت احمدیہ سے ایک ضروری درخواست

مجلس مشاورت منعقدہ ۱۹۵۵ء میں نظارت بہشتی مقبرہ کے متعلق سٹینڈنگ فنانس کمیٹی کی یہ سفارش پیش ہو کر منظور ہوئی تھی کہ :-

"گذشتہ پانچ سال (۱۹۵۰-۵۱ تا ۵۵-۱۹۵۴) میں صرف ۱۳۵۳ احباب نظام نو میں وصیت کر کے شامل ہوئے۔ یہ تعداد بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ اگر مناسب سعی کی جائے تو وصایا کی تعداد بڑھ سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل تجاویز عمل میں لائی جائیں تو جہاں ایک طرف جماعت کے اخلاص میں ترقی ہو سکتی ہے۔ وہاں دوسری طرف آمد میں بھی معتدبہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ سال میں ایک ہفتہ تحریک وصیت منایا جائے۔

۲۔ امراء و صدر صاحبان مقامی طور پر وصایا کی پُر زور تحریک کریں۔

۳۔ جلسہ سالانہ پر بذریعہ وفود وصیت کی تحریک کی جائے۔

سٹینڈنگ کمیٹی کی اس سفارش کے مطابق گذشتہ دو سالوں میں بھی "ہفتہ تحریک وصیت" منایا گیا تھا۔ اور اس سال بھی اس تحریک کے لئے مارچ کا چوتھا ہفتہ (۲۳ لغایت ۲۷ مارچ) مقرر کیا جاتا ہے۔ اس ہفتہ میں ہر موصی اور ہر عہدہ دار مقامی جماعت ہائے احمدیہ کو چاہیئے کہ وہ وصیت کی غرض و غایت اور برکات و فوائد اپنے غیر موصی احباب اور رشتہ داروں کے ذہن نشین کرا کر انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشاء مبارک کے مطابق وصیت کرنے کی پُر زور تحریک کرے۔ اس سلسلہ میں جماعت کے امراء اور پریذیڈنٹ صاحبان اور لجنات اماء اللہ کی صدر صاحبات سے مجلس کارپرداز یہ درخواست کرتی ہے۔ کہ وہ اس اعلان کی اشاعت ہوتے ہی فوری طور پر اپنے اپنے حلقوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسالہ "الوصیت" اور اس کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تقریر "نظام نو" کے روزانہ درس کا انتظام اس طریق پر فرما دیں کہ ان کتابوں کے مضامین سے ہر موصی اور غیر موصی یکساں طور پر مارچ کا تیسرا ہفتہ ختم ہونے سے قبل واقف و آگاہ ہو جائے تاکہ چوتھے ہفتہ میں عملی جدوجہد ہو سکے (اگر پوری کتاب کے درس کے لئے وقت ناکافی ہو تو کم از کم نظام وصیت سے براہ راست تعلق رکھنے والے حصہ کے درس کا ضرور انتظام کیا جائے) اور عملی جدوجہد میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھا جائے۔

اوّل۔ غیر موصی اصحاب و مستورات کو وصیت کرنے کی تحریک کی جائے۔ خصوصاً غیر موصی اہل ثروت اور متمول اصحاب کو آگے لایا جائے۔ خواہ وہ ملازم پیشہ ہوں یا تاجر پیشہ یا زمیندار ہوں اس تحریک سے اموال کا جمع کرنا بے شک ہمارا اصل مقصد نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصد وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسالہ "الوصیت" میں بیان فرمایا اور جس کی تشریح و تفصیل حضرت امیر المومنین

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کے متعلق قرآنی فیصلہ

(بقیہ صفحہ ۳۲)

دعا کی تحریک ہوئی اور انہوں نے دُعا کی۔ ربّ ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء (آل عمران ۳۸) کہ مجھے پاک اولاد دی جائے۔ فرشتوں نے انہیں خوشخبری دی کہ تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس بشارت کو سُن کر حضرت زکریاؑ نے عرض کی:۔

قال ربّ انّیٰ یکون لی غلام وقد
بلغنی الکبر وامرأتی عاقر قال
کذلک اللہ یفعل ما یشاء (آل عمران ۴۰)

کہ میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ مَیں تو پیر فرتوت ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حالات تو ایسے ہی ہیں مگر باں ہمہ ارادہ الٰہی نافذ ہوگا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریاؑ کے انتہائی بڑھاپے اور حضرت زکریاؑ کی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کے ہاں حضرت یحییٰؑ پیدا ہو گئے۔

اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو (اُن کے کسی مزعومہ خاوند کو نہیں۔) بشارت دی کہ تیرے ہاں وجیہ لڑکا مسیحؑ پیدا ہوگا حضرت مریمؑ نے عرض کیا:۔

قالت ربّ انّیٰ یکون لی ولد ولم
یمسسنی بشر قال کذلک اللہ
یخلق ما یشاء اذا قضیٰ امراً
فانما یقول لہ کن فیکون (آل عمران ۴۷)

کہ خداوندا میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، مجھے تو کسی مرد نے چھوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ بات درست ہے مگر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے پیدا کر لیتا ہے۔ اسکی شان ہے کہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُسے ہو جانیکا حکم دیتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے"۔

اس آیت پر ذرا تدبر کیا جائے تو نہایت صفائی سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اس جگہ حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کو قدرت کا کرشمہ قرار دیا گیا ہے۔ زکریاؑ کے معاملہ میں خاوند اور بیوی موجود ہیں۔ گو ظاہری طور پر ناقابل اولاد ہیں۔ اسلئے "اللہ یفعل ما یشاء" فرمایا۔ حضرت مریمؑ کے واقعہ میں خاوند سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسلئے "اللہ یخلق ما یشاء" فرمایا ہے۔ اور علاوہ ازیں ان الفاظ کا اضافہ فرمایا جو حضرت آدمؑ کی تخلیق کے سلسلہ میں کہے گئے تھے۔ یعنی اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون۔ پس اس بیان سے بالبداہت ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ صرف حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ولادت میں کسی مرد کا دخل نہ تھا۔

دوسری جگہ سورۂ مریم میں بھی اسی ترتیب سے دونوں ولادتوں کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا پہلے بیان ہے اور حضرت مسیحؑ کی ولادت کا بیان بعد میں آیا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے گویا بیان میں بھی تدریج ملحوظ ہے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریاؑ کا قول ہے:۔

قال ربّ انّیٰ یکون لی غلام وکانت
امرأتی عاقراً وقد بلغت من الکبر
عتیاً۔

اللہ تعالیٰ کا جواب یوں ہے:۔

قال کذٰلک قال ربّک ھو علیّ
ھیّن وقد خلقتُک من قبل
ولم تک شیئًا۔ (مریم ۹)

سورہ مریم میں حضرت مریمؑ کا قول ہے ؛۔

قالت انّٰی یکون لی غلام ولم
یمسسنی بشر ولم اکُ بغیًّا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا :۔

قال کذٰلکِ قال ربُّکِ ھو علیّ
ھیّن ولنجعلہٗ اٰیۃً للنّاس
ورحمۃً منّا وکان امرًا مقضیًّا۔
(مریم ۲۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ تو سچ ہے کہ تجھے کسی مرد نے نہیں چھوا یعنی تیرا خاوند نہیں ہے اور نہ ہی تو بدکار ہے لیکن ہاں ہم پر یہ ولادت بن باپ آسان ہے۔ اور چونکہ اس بن باپ ولادت میں ہم نے ایک نشان رکھا ہوا ہے اور یہ پہلے سے فیصل شدہ امر ہے اسلئے بہرحال اسی طرح ہوگا۔

اس تصریح کے سُننے کے بعد حضرت مریمؑ خاموش ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فحملتہ فانتبذت بہٖ مکانًا قصیًّا۔

کہ پھر فوراً حضرت مسیحؑ رحم مادر میں آگئے اور وہ دُور جگہ پر چلی گئیں۔

اس آیت میں حملتہ کے پہلے حرف فاء آیا ہے۔ جو ترتیب مع التعقیب پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے۔

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے اسلوب خاص اور اپنی تصریح کے ذریعہ سے یہ فیصلہ فرما دیا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے۔ اس ولادت میں اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور خاص حکمت کارفرما تھی۔ پس قرآن مجید کے رُو سے صحیح عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو بلا باپ پیدا کر دیا تھا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے، حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ ان کے مخلوق اور بشر ہونے کی دلیل ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

بہائیت کی تردید میں بہترین لٹریچر

بہائی لوگ اپنی شریعت اور اپنے اصلی عقائد کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کی شریعت کو مع ترجمہ اُردو اور تبصرہ شائع کر دیا ہے نیز بہائی عقائد اور ان کی تاریخ بھی طبع کرا دی ہے۔ ہر دو کتابوں کے غور سے پڑھنے والے ہر بہائی کو لاجواب کر سکتے ہیں۔

۱۔ بہائیت کے متعلق پانچ مقالے ۲ر
۲۔ بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ ۲ر

ہر دو کتابیں چار روپے میں طلب فرمائیں!

ملنے کا پتہ :۔

مینیجر مکتبہ الفرقان ربوہ پاکستان